عہد حاضر کے بڑے لوگ

حصہ سوم

از:-

محمد مرزا دہلوی

ناشر

دائرۂ ادبیہ دریا گنج دہلی

طبع اوّل

قیمت آٹھ آنے

اکتوبر ۱۹۳۹ء

مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

دیباچہ

عہد حاضر کے بڑے لوگوں کا یہ تیسرا حصہ ہے جس میں عراق و عرب کی دو مشہور شخصیتوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔

امیر فیصل بن حسین عرب نقطہ نظر سے ایک کامیاب شخصیت کا مالک ہے اس نے پہلے شام میں بعد کو عراق میں اپنی سلطنت قائم کی اور اس وقت بھی اس کا خاندان عراق میں حکومت کر رہا ہے۔

اس کے وہ "کارنامے" جو اس نے جنگ عظیم میں انجام دیئے تھے آج تک اردو میں جمع نہیں کئے گئے تھے۔ ہم نے اس حصہ میں انھیں پوری تفصیل کے ساتھ قلم بند کر دیا ہے، جگہ جگہ فیصل کے شریک غالب کرنل لارنس کی سرگرمیوں پر بھی روشنی ڈالی ہے اور آخر میں بغاوت عرب اور شریفیوں کی ذات کے متعلق غیر عرب اسلامی ممالک کا نقطہ نظر بھی پوری دیانتداری کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔

عرب کی دوسری مشہور شخصیت ابن سعود کی ہے، اس نے اپنے دست و بازو کی مدد سے جو کامیابیاں حاصل کیں اس حصے میں اختصار کے ساتھ ان کا ذکر ہے لیکن ابن سعود کی ذاتی خوبیوں اور کمزوریوں پر

بلاگ تبصرہ کیا گیا ہے اور مغربی قوتوں کے متعلق اس نے جو پالیسی اختیار کر رکھی ہے اس پر بھی جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ اسی کے ساتھ ابن سعود کی ذات اور حکومت کے انتظام پر غیر وہابی اسلامی ممالک کا نقطہ نظر بھی پوری وضاحت اور ایمانداری کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے۔

قارئین کیلئے ان دونوں کے حالات میں عبرت و بصیرت کا بہت کچھ سامان موجود ہے۔ توقع ہے کہ یہ حصہ بھی پہلے دو حصوں کی طرح دلچسپی سے پڑھا جائیگا۔

محمد مرزا دہلوی

Blackbird.

امیر فیصل بن حسین

امیر فیصل بن حسین الہاشمی

تحریک وحدت عربیہ کا علمبردار، نہایت ذہین اور مصلحت اندیش عرب سردار، جس نے جنگ عظیم میں اپنی قوم کی آزادی کے عوض مغربی قوتوں کے ہاتھ سلطنت عثمانی کا سودا کر ڈالا۔ اور ــــــــــــ

چھ سو برس بعد خلفاء عباسیہ کے سجادے پر تصرف حاصل کر لیا۔

غیر عرب اسلامی ممالک فیصل بن حسین اور اس کے کارناموں کو کسی اور زاویہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن عرب فیصل کو اپنا محسن اور قومی رہنما مانتے ہیں کہ اس نے قومی آزادی کو عربوں کی منزلِ مقصود قرار دیکر ان میں نیا عزم اور نیا حوصلہ پیدا کر دیا۔ اور انھیں اس زمانہ کی مہذب اقوام کی مجلس اعلیٰ میں لا بٹھایا!!

حالات نے فیصل کو ابھارا اور فیصل نے ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا میدانِ حرب اور محفل سیاست ہر جگہ اس نے اپنی خداداد ذہانت اور طباعی کے جوہر دکھائے۔ لیکن میدانِ حرب سے زیادہ یہ محفلِ سیاست ہی میں چمکا جہاں یورپ کے کہنہ مشق اور شاطر قسم کے سیاسی تاجروں سے اس کا واسطہ پڑا۔ فیصل نے ان سے بے جھجک سودا کیا اور ــــــــــــ

نجف میں رہا۔

فیصل، حسین ابن علی شریف مکّہ کا تیسرا لڑکا تھا جو قبیلہ بنو ہاشم کا معزز سردار اور حضرت علیؑ اور فاطمۃ الزہراؓ کے واسطے سے آنحضرت صلعم کی اولاد میں ہونے کے باعث سنّی عقائد کے عربوں میں بے انتہا واجب التعظیم واحترام سمجھا جاتا تھا۔ لیکن شریف حسین چونکہ ابتدا ہی سے بے حد خودسر، ضدی اور جاہ طلب واقع ہوا تھا اور طبعاً نہایت جوشیلا اور مغلوب الغضب قسم کا انسان تھا اس لئے سلطان عبدالحمید کے عہد میں شریف مکہ ہوتے ہی اس نے اطراف وجوانب کے عرب قبائل پر اپنی امارت کا سکّہ بٹھانا شروع کر دیا۔ اور چونکہ ترکوں سے اسے ہمیشہ سے نفرت تھی اس لئے جہاں موقع ملا عربوں کو ترکوں کے خلاف ابھارا اور جگہ جگہ شورشیں برپا کرا دیں۔

عبدالحمید کو جب شریف حسین کی ان سرگرمیوں کا علم ہوا تو اس نے شریف حسین کو علانیہ سزا دینے کے بجائے یہ کیا کہ شریف حسین اور اس کے سارے خاندان کو قسطنطنیہ بلا کر نظر بند کر دیا۔

شریف حسین قسطنطنیہ میں اٹھارہ برس سلطان کا "مہمان" رہا اور ۱۹۰۸ء کے ترکی انقلاب کے بعد جب نوجوان ترکوں نے عبدالحمید کو معزول کر دیا تو اس کو بھی مکّہ جانے کی اجازت مل گئی۔

فیصل ۱۸۸۵ء میں مکہ میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تربیت اس کی قدیم خاندانی روایت کے بموجب ایک بدوی قبیلے میں ہوئی۔ لیکن چھ برس کی عمر میں فیصل اپنے والد شریف حسین اور اپنے خاندان کے ساتھ سلطان عبدالحمید کے حکم سے قسطنطنیہ چلا گیا اور وہیں اس کی تعلیم و تربیت مکمل ہوئی۔

فیصل ابتدا ہی سے نہایت ذہین اور طباع لڑکا تھا۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد اس نے ترکی کے محکمہ فوج اور سلطان کے محکمہ خاص میں ملازمت کی اور ترقی کرتے کرتے سلطان عبدالحمید کا پرائیویٹ سکریٹری بن گیا۔

یکم جولائی ۱۹۰۸ء کو انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں نے یکایک سلطان عبدالحمید کے خلاف بغاوت کردی۔ اور دستوری حکومت کا اعلان کر دیا۔ فیصل اور اس کے والد شریف حسین نے سلطان کے خلاف اس بغاوت میں پوری سرگرمی سے حصّہ لیا اور سلطان عبدالحمید کو معزول کرنے میں نوجوان ترکوں کی مدد کی۔

عبدالحمید کی معزولی کے بعد نوجوان ترکوں نے شریف حسین کو مکہ جانے کی اجازت دیدی اور وہ اپنے سارے خاندان کے ساتھ جس میں فیصل بھی شامل تھا قسطنطنیہ سے مکّہ آگیا۔ لیکن اسی دوران میں اسے یہ تجربہ ہوا کہ نوجوان ترکوں کی حکومت عبدالحمید سے زیادہ سخت اور بے اصول ہے۔ کیونکہ یہ نوجوان نسلی تعصب بھی رکھتے تھے۔ اور ترکوں کے مقابلہ میں غیر ترکوں کی ان کے نزدیک کوئی وقعت نہیں تھی۔ شریف حسین نوجوان ترکوں

کے اس تعصب سے بہت ہی منغض رہنے لگا۔ اور ترکوں سے نفرت کا جو جذبہ مدّت سے اس کے قلب و دماغ میں پرورش پا رہا تھا وہ پھر ابھر آیا۔

مکّہ پہنچکر شریف حسین نے عرب قبائل میں پھر سے اپنا اثر و اقتدار بڑھانا شروع کر دیا۔ اور اب کے ایک آزاد عرب سلطنت کے قیام کے لئے اس نے انگلستان سے نامہ وپیام شروع کیا۔ اور ان کوششوں میں اس کے چاروں لڑکے بھی اس کے شریک تھے۔ لیکن یہ ساری کوششیں انتہائی رازداری سے جاری رکھی گئیں۔ تاکہ وقت سے پہلے ترکوں کو عربوں کے ارادوں کا علم نہ ہوسکے۔

۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوگئی۔ ابتداءً ترک غیر جانب دار رہے لیکن کچھ ہی دنوں بعد جرمنی اور آسٹریا کے ساتھ یہ بھی جنگ میں کود پڑے ترکوں کے اعلان جنگ کے ساتھ ہی انگریزوں نے نہر سوئز اور خلیج فارس کی عربی اور عراقی بندرگاہوں کو گھیر لیا۔ اور قط الامارا پر اپنی فوجیں اُتار دیں۔ لیکن اس جگہ انگریزوں کو ترکوں اور عراقیوں کی فوجوں نے شکستِ فاش دی اور ساری برطانوی فوج کو مع جنرل کے گرفتار کر کے قسطنطنیہ بھیجدیا۔

اس شکست کا بدلہ لینے کیلئے انگریزوں نے مصر اور مالٹا سے اپنا زبردست جنگی بیڑا بھیجا۔ اب کے ترکوں کو شکست ہوئی اور انگریزوں نے قط الامارا پر قبضہ کر لیا۔

اسی کے ساتھ برطانیہ نے عربوں کو بھی ترکوں کے خلاف ابھارنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو برطانوی افواج کے کمانڈر انچیف لارڈ کچنر نے شریف حسین کے منجھلے لڑکے شریف عبداللہ کو تار بھیجا:۔

جرمنی نے ترکی حکومت کو سونا دیکر خرید لیا ہے۔ حالانکہ انگلستان، فرانس اور روس نے ترکی سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر ترکی اس جنگ میں غیر جانبدار رہے تو اس کی سلطنت جنگ سے محفوظ رہے گی۔ اسی کے ساتھ ترکی حکومت نے سلطان کی مرضی کے خلاف مصر کی سرحد پر بھی حملہ کر دیا ہے اگر عرب قوم اس جنگ میں برطانیہ کا ساتھ دے تو حکومت برطانیہ یہ ضمانت کرتی ہے کہ عرب میں کوئی قوت مداخلت نہ کر سکے گی۔ اور برطانیہ ہر بیرونی حملے سے عرب کو بچائے گی۔

شریف حسین نے برطانیہ کے اس پیغام کا فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ اس لئے کہ قط الامارا پر برطانیہ کی شکست کے بعد شریف حسین کو ترکوں کے خلاف جنگ شروع کرنے میں تامل ہو گیا تھا، لیکن برطانیہ کی طرف سے جب مسلسل زور پڑا اور جنگ کے حالات میں بھی کچھ تبدیلی ہو گئی تو بالآخر شریف حسین برطانیہ سے سودا کرنے پر راضی ہو گیا اور جولائی ۱۹۱۵ء میں شریف حسین نے مصر کے ھائی کمشنر سر ہنری میک ماہن کے پاس اپنی شرائط پیش کر دیں۔

"حکومت برطانیہ عربوں کی آزادی کی جنگ میں پوری طرح مدد کرے۔ اور عدن کو چھوڑ کر ایشیا کے جنوب مغرب کی سارے عربی بولنے والے علاقے کو آزاد عرب علاقہ تسلیم کرے"

ابتداءً سر ہنری میک ماہن نے شریف حسین کی یہ شرط منظور نہیں کی لیکن جب وقت گذرتا گیا اور حالات کا تقاضا یہ ہوا کہ عرب میں فوراً ترکوں کے خلاف بغاوت کرائی جائے تو عرب علاقہ کی سرحدات کی بحث کو ختم کر دیا گیا۔ اور میک ماہن نے بظاہر شریف حسین کی شرط کو تسلیم کر کے انھیں ترکوں کے خلاف فوراً بغاوت کرنے کی ھدایت کی۔ اور اس ھدایت کے ساتھ بہت سے اسلحہ اور دس ہزار پونڈ شریف عبداللہ کیلئے بھیجے اور وعدہ کیا کہ بغاوت کے شروع ہوتے ہی پچاس ہزار پونڈ شریف حسین کی خدمت میں بھیجے جائیں گے۔ اور برطانوی جنگی جہاز نہر سوئز کی بندرگاہوں سے عرب فوجوں کی پیش قدمی میں مدد کریں گے۔ اس وعدے وعید کے ساتھ سودا ختم ہوا اور شریف حسین نے ترکوں کے خلاف پوری سرگرمی سے بغاوت کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اعلان جنگ کے بعد ترکی حکومت نے شریف حسین کو یہ حکم بھیجا کہ وہ حجاز میں ترکوں کی امداد کیلئے فوجیں اکٹھی کرے۔ شریف حسین اور اس کے لڑکوں نے اس حکم سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور حجاز کا دورہ کر کے بجائے ترکوں کی حمایت میں فوجیں بھرتی کرنے کے قبائل کو ترکوں کے خلاف شریف حسین کے جھنڈے کے نیچے متحد کرنا شروع کر دیا۔

۱۹۱۵ء میں جب عرب میں ترکوں کے خلاف بغاوت کا سارا سامان لیس کیا ہو چکا تو شریف حسین نے فیصل کو شام بھیجا، بظاہر اس لیئے کہ شام کے ترکی

گورنر اور کمانڈر جمال پاشا کو اپنی وفاداری اور امداد کا یقین دلائے اور بیاطن اس لئے کہ شامی قبائل کو ترکوں سے توڑے اور عرب بغاوت کا راستہ شام تک ہموار کر دے ۔ فیصل نے یہ کام بڑی خوبی سے کیا ۔ دمشق پہنچکر وہ جمال پاشا کا مہمان ہوا اور اسے یقین دلادیا کہ ترکوں کی امداد کو حجاز میں ایک زبردست لشکر تیار کیا جا رہا ہے اور بباطن اس نے دمشق کے اکثر امراء اور سرداران قبائل کو ترکوں سے توڑ لیا ۔

دمشق میں ابھی فیصل کی سرگرمیاں جاری ہی تھیں کہ شریف حسین نے فیصل کو اطلاع دی کہ اس نے عرب کے بہت سے قبائل کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر لیا ہے ۔ اور یہ قبائل مدینہ کی ترکی چھاؤنی پر حملہ کرنے کیلئے بے چین ہو رہے ہیں ۔ شریف حسین نے یہ اطلاع فیصل کو اس وقت دی جب شریف حسین اور برطانیہ کے درمیان سودا شروع ہوچکا تھا ۔ اور برطانوی ھائی کمشنر سے عرب علاقہ کی سرحدات کیلئے گفتگو ہو رہی تھی ۔ اس اطلاع کے ملتے ہی فیصل نے جمال پاشا سے عذر کیا اور مدینے جانے کی اجازت طلب کی ۔ لیکن جمال پاشا نے یہ کہکر فیصل کو روک لیا کہ وہ اور انور پاشا دونوں فیصل کے ساتھ مدینے جائیں گے اور وہاں کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے ۔ یہ وقت فیصل کیلئے بہت سخت تھا لیکن ان دونوں کے ساتھ سے وہ انکار نہیں کر سکتا تھا ۔ اس نے شریف حسین کو فوراً اس نئی صورت حالات سے اطلاع دی ۔ اور ھدایت کی کہ جمال اور انور کی موجودگی میں کوئی بات بھی عربوں سے ایسی نہ ہونے پائے کہ ان کو ہم پر شبہ ہو سکے ۔

کچھ دنوں بعد فیصل انور پاشا اور جمال پاشا کے ساتھ مدینے پہونچا۔ شریف حسین کافی احتیاطی تدابیر اختیار کر چکا تھا۔ تقریباً پانچ ہزار عرب فوج نے ان ترکوں کے آگے جمع ہو کر اپنے کرتب دکھائے اور سرداران قبائل نے ترکوں کو اپنی کامل وفاداری کا یقین دلا دیا۔ انور اور جمال بظاہر اس مظاہرے سے بالکل مطمئن ہو گئے۔ لیکن رات ہوتے ہی فیصل کو ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ انور اور جمال جس محل میں ٹھیرے ہوئے تھے اس محل کو خفیہ طور پر چند عرب قبائل نے گھیر لیا اور ان کے سردار فیصل کے پاس یہ اجازت لینے پہونچے کہ ان دونوں ترکوں کا یہیں کے یہیں خاتمہ کر دیں۔ فیصل اس تجویز سے بہت گھبرایا۔ اور جس طرح بھی ہو سکا اس نے اس وقت تو ان عرب سرداروں کو سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔ لیکن خود انور اور جمال کو اس محل سے نکال کر اپنے گھر لے آیا اور اپنے کمرے میں ان دونوں کو سُلا کر خود اس کمرے کے باہر رات بھر ان کی حفاظت کرتا رہا۔ صبح کو اس نے انور اور جمال کو بخیر و خوبی ریل پر سوار کرا دیا اور خود بھی انھیں پہونچانے کیلئے دمشق تک ان کے ساتھ چلا گیا۔

فیصل کی یہ جسارت حقیقتاً حیرت انگیز تھی۔ اس لئے کہ انتہائی کوششوں کے باوجود انور اور جمال کو یہ شبہ ہو گیا تھا کہ مدینے میں حالات بہتر نہیں اور عرب جنگ میں ان کا ساتھ دینے کو تیار نہیں ہیں۔ اس شبہ کی موجودگی میں فیصل کا دمشق تک ان لوگوں کے ساتھ جانے کے یہ معنی تھے کہ فیصل نے اپنے آپ کو بالکل ان دونوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا کہ یہ چاہیں تو اسے

قتل کر دیں یا دمشق پہونچ کر اُسے قید کر دیں۔ اور اس طرح شریف حسین کو مجبور کر دیں کہ وہ اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے دستبردار ہو جائے۔

لیکن انور اور جمال نے اس شبہ کے باوجود کہ عرب ہمارے ساتھ چال کر رہے ہیں فیصل سے کوئی باز پرس نہیں کی۔ بلکہ دمشق پہونچکر انھوں نے مصلحتاً فیصل کو مدینے واپس جانیکی اجازت دیدی۔ اس فہائش کے ساتھ کہ وہ مدینے پہونچکر عربوں کو ترکوں کی حمایت پر آمادہ کرے اور جو قبائل ترکوں کے مخالف ہو گئے ہیں انھیں رام کرلے۔

لیکن دوسری طرف انھوں نے مدینے کی ترکی چھاونی پر شام سے مزید کمک بھیجدی اور اس طرح عربوں کی بغاوت کو ابتدا ہی میں روک دینے کا سامان کرلیا۔

۱۹۱۶ء میں ترکوں کے خلاف عربوں کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ اور دوسری طرف سر ہنری میک ماہن اور شریف حسین کے درمیان معاملہ آخری طور پر طے ہو چکا، برطانوی ہتھیار اور برطانوی روپیہ حجاز میں پہونچ چکا اور برطانوی جہاز عربی بندرگاہوں پر عربوں کی مدد کیلئے تعینات ہو چکے ______ شریف حسین نے ۹۔ جون ۱۹۱۶ء کو ترکوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اور اسی دن طائف، جدّہ اور مدینہ کی ترکی چھاونیوں پر ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ طائف کی عرب فوج کی کمان شریف حسین نے اپنے ہاتھ میں رکھی۔ جدہ پر شریف عبداللہ کی ماتحتی میں فوج بھیجی۔ اور

مدینہ کی فوجوں پر فیصل اور علی کو متعین کیا۔

۱۴۔ جون کو شریف حسین نے طائف کی چھاونی کو آسانی سے زیر کر لیا۔

۱۶۔ جون کو جدّہ کی ترکی چھاونی بھی برطانیہ کے جہازوں کی مدد سے زیر ہو گئی۔ لیکن مدینہ میں فیصل اور علی کی فوجوں کو کامیابی نہیں ہوئی مدینہ میں ترکوں کی سب سے بڑی فوجی چھاونی تھی۔ اور اس وقت یہاں ترکی کا مشہور اور دلیر جنرل فخری پاشا کمانڈر تھا۔ فیصل کی بدوی فوجوں نے مدینہ پر بڑی بے جگری سے دو مرتبہ حملہ کیا۔ لیکن دونوں مرتبہ ترکوں نے عربوں کے حملوں کو بُری طرح پسپا کر دیا۔ اس مسلسل ناکامی کے بعد عربوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور وہ مدینہ سے پچاس میل دور ہٹ آئے اور رابغ میں پڑاؤ ڈال دیا۔ تاکہ ترکی فوج کو مکّہ پہونچنے سے روک دیں۔

عرب میں یہ حالات تھے جب بدنامِ زمانہ ٹامس ایڈورڈ لارنس حجاز میں نمودار ہوا۔ ———— لارنس مصر کی انگریزی فوج کے شعبۂ جاسوسی میں متعین تھا۔ ابتداءً پندرہ دن کی چھٹی پر جدّہ آیا تھا مگر بعد کو اپنی خوشی سے عرب میں رہ پڑا۔ لارنس کے پہنچنے سے پہلے جدّہ پر امیر عبداللہ کا قبضہ ہو چکا تھا۔ جدّہ سے لارنس مدینے پہونچا اور اس وقت پہونچا جب فیصل فخری پاشا سے ٹکرا کر اپنی مایوس اور ناکام فوج کے ساتھ رابغ ہٹ آیا تھا۔ رابغ ہی میں فیصل اور لارنس کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ جس کے

بعد جنگ عظیم کے خاتمہ تک یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے۔

مدینہ سے عربوں کے ہٹتے ہی ترکوں کو ریل کے ذریعہ شام سے مزید کمک مل گئی ہوائی جہاز، مشین گنیں، اور ٹینک بھی باغیوں کے مقابلہ کیلئے جمال پاشا نے مخزنی پاشا کے پاس بھیج دیئے۔ ترک اس کمک سے تازہ دم ہوکر رابغ کی طرف بڑھے۔ تاکہ فیصل کی فوج کا پوری طرح قلع قمع کر دیں۔ یہ وقت فیصل اور اس کی فوج کیلئے بہت نازک تھا۔ کھلے میدان میں عرب آلات جدید سے مسلح ترکوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اور عربی فوج میں اس قدر قوت نہیں تھی کہ ترکوں کے بڑھتے ہوئے کالم کو روک سکے۔ اس نازک وقت میں لارنس نے فیصل کی مدد کی۔ سب سے پہلے تو اس نے رابغ اور مدینہ کے درمیان جس قدر قبائل تھے ان سب میں دورہ کیا اور انگریزی سونا اور انگریزی ہتھیار اہلِ قبائل میں تقسیم کئے اس ھدایت کے ساتھ کہ مدینہ کے ترکی کالم سے گوریلہ وضع کی لڑائی چھیڑ دیں۔ اور اس کے بعد اس نے دوسری تجویز یہ کی کہ مدینہ کی ترکی فوج کو الجھانے کیلئے تھوڑی سی عربی فوج زید بن حسین کی ماتحتی میں چھوڑ کر باقی فوج "ینبوع" اور "الوجہ" کے بندرگاہوں کی طرف روانہ کر دی۔ اور امیر عبداللہ کو یہ ہدایت بھیجی کہ الوجہہ کے فتح ہوتے ہی وہ جدہ کے راستے مدینہ کی ترکی فوج پر آ پڑے اور اس طرح ترکی کالم کو مدینہ واپس آنے پر مجبور کر کے مدینہ میں محصور کر لے۔

ینبوع اور الوجہہ کے بندرگاہوں پر فوراً قبضہ کر لینے کا مقصد یہ تھا کہ شام کے ترکی کیمپ سے مدینہ کی ترکی فوج کا رشتہ منقطع کر دیا جائے۔ اور اس

طرح ترکی کالم کی مکہ کی طرف پیش قدمی روک کر اسے قلعہ بند ہو جانے پر مجبور کر دیا جائے۔ چنانچہ اس تجویز کے ماتحت فیصل اور لارنس نے برق صفت تیزی سے ینبوع اور الوجہہ کے بندرگاہوں پر حملہ کر دیا۔ اور دوسری طرف امیر عبداللہ کی فوجوں نے ترکوں پر مدینہ کے شمال سے یلغار کر دی اس دوطرفہ حملہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ کی طرف ترکی کالم کی پیشقدمی رک گئی اور ترکوں نے مدینہ کی حفاظت کرتے ہوئے محصور ہو جانا پسند کر لیا۔

فیصل نے ینبوع اور الوجہہ آسانی سے فتح کر لئے۔ اور ان بندرگاہوں کی فتح کے ساتھ ہی برطانیہ سے عربوں کا رشتہ زیادہ مضبوط ہو گیا اس لئے کہ انہی بندرگاہوں کے ذریعے برطانیہ نے فیصل کو ہتھیاروں کی امداد دینی شروع کی۔ اور لارنس نے اطراف وجوانب کے قبائل کو فیصل کی حمایت میں آمادہ کر کے ان میں برطانوی روپیہ اور ہتھیار تقسیم کرنے شروع کر دیئے۔ اس ترکیب سے چند ہی دنوں میں لارنس نے فیصل کے جھنڈے کے نیچے دس ہزار فوج جمع کر دی۔ ینبوع اور الوجہہ کی فتح کے بعد لارنس کے مشورے سے فیصل نے شام کی طرف رخ کیا۔ شام کی سرحد پر "عقبہ" ترکوں کا ایک اور اہم بندرگاہ تھا۔ لارنس کے نزدیک عرب میں ترکوں کو پوری طرح بے بس کرنے کے لئے اس بندرگاہ پر قبضہ کرنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ ۱۸۔ جون ۱۹۱۷ء کو فیصل کی بدوی فوجیں الوجہہ سے عقبہ کی طرف روانہ ہو گئیں اور راستہ میں جو عرب قبائل ملتے گئے انہیں فیصل اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کرتا گیا۔ عقبہ کی مہم کئی وجوہ سے اہم تھی۔ ایک تو عقبہ کے فتح ہونے کے بعد حجاز میں ترکی کمک نہیں پہونچ

سکتی تھی۔ دوسرے اس فتح سے حجاز کے عربوں کا شام کے عربی قبائل سے رشتہ جُڑ جاتا تھا اور ان قبائل کو جنھیں فیصل اپنے دمشق کے دورانِ قیام میں ترکوں کے خلاف اُبھار آیا تھا، علانیہ ترکوں سے بغاوت کرنیکا موقع مل جاتا۔

یہ تجویز چونکہ عربوں کے حق میں بہت مفید نظر آ رہی تھی اس لئے فیصل نے فوراً ہی الوجہہ سے شمال کی طرف کوچ کر دیا۔ منزلِ مقصود اگرچہ فیصل کی عقبہ ہی تھی لیکن ترکوں کو بھلاوے میں ڈالنے کیلئے اس نے چکّر دار راستہ اختیار کیا۔ اور "وادی شیراں" سے گذرتا ہوا مواب کے شمال میں نکلا۔ اور راستہ میں جگہ جگہ وہ ریلوے لائن توڑتا گیا۔ جو ترکوں نے دمشق سے مدینے تک قائم کر رکھی تھی۔ مواب کے علاقے میں پہونچکر فیصل نے اپنا رُخ معان کی طرف پھیر دیا۔ اور معان سے ۸ امیل جانب مغرب ایک ترکی چوکی پر حملہ کر کے اس چوکی کے سارے ترک سپاہیوں کا قلع قمع کر ڈالا۔ جب معان کی ترکی چھاونی میں عربوں کے اس حملے کی اطلاع ملی تو ترکوں نے عربوں کی گوشمالی کیلئے ایک فوجی کالم بھیجدیا۔ جس وقت یہ ترکی کالم فیصل کی فوج کا تعاقب کرتا ہوا وادی ابوالیث پہونچا تو فیصل کی فوج نے جو اس سے پہلے ہی اس وادی کی پہاڑیوں پر قابض ہو چکی تھی ترکی کالم کو سب طرف سے گھیر کر بندوق کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ اس جنگ میں عربوں کی تعداد اگرچہ کم تھی اور ترک کافی تعداد میں موجود تھے لیکن ترک اس وادی میں اس بُری طرح پھنس گئے تھے کہ ان کے جدید آلات اور ان کی کثرت تعداد بھی

[illegible]

رکھدیا۔

فیصل کی اس زبردست فتح سے عربوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور ترکوں میں بدحواسی پھیل گئی۔ عرب قبائل جوق جوق فیصل کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے اور فیصل کو انھوں نے بے تکلف اپنا قومی رہنما اور سردار تسلیم کرلیا۔

وادی ابوالیث میں فتح حاصل کرنے کے بعد فیصل کی فوجیں عقبہ کی طرف بڑھیں اور بغیر کسی لڑائی بھڑائی کے ۶۔ جولائی ۱۹۱۷ء کو عقبہ میں داخل ہوگئیں۔ عقبہ کے ترک اور جرمن دستوں نے عربوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔

فیصل کی فوجوں نے عقبہ کو فتح کرلیا لیکن اب ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں رہا تھا۔ اور نہ آگے پیشقدمی کرنے کیلئے مناسب ہتیار تھے۔ فیصل نے برطانیہ سے مدد مانگی، لارنس عقبہ سے مصر پہونچا۔ اس وقت مشرق قریب کی برطانوی افواج کا کمانڈر انچیف جنرل الینبی تھا۔ اس نے عقبہ کی فتح پر تو مسرت کا اظہار کیا اور عربوں کو مدد دینے پر بھی رضامندا ظاہر کردی۔ لیکن اس سلسلہ میں سوال یہ پیدا ہوا کہ عقبہ کی فتح کے بعد فیصل کی فوجوں کا پوزیشن کیا ہوگا۔ کیونکہ عقبہ پر عرب کی سرحد ختم اور شام کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ اور شام اور فلسطین کی کمان چونکہ براہ راست (الینبی) کے ہاتھ میں ہے اس لئے فیصل کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ آئندہ

جنرل الینی کی ماتحتی میں کام کرے اور اسی کی ھدایات پر عمل کرے یہ سوال بہت ٹیڑھا تھا۔ لارنس بطور خود اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ مصر سے ضروری امداد لیکر عقبہ واپس آیا اور یہاں اس نے فیصل سے اس بارے میں مشورہ کر کے شریف حسین کو اس نئی صورت حال کی اطلاع دی۔ لارنس کو اندیشہ تھا کہ شاید شریف حسین اس بات کو منظور نہ کرے گا کہ فیصل الینی کی ماتحتی میں کام کرے۔ لیکن شریف حسین جب عقبہ آیا تو فیصل اور لارنس نے کہہ سن کر اس کو راضی کر لیا۔ چنانچہ اسی وقت سے فیصل کی فوجیں الینی کی نگرانی میں آگئیں۔ اور برطانوی فوج کا دھنا بازو قرار پائیں۔

شریف حسین بہت چوکنا آدمی تھا۔ اسے برطانیہ کے اس وعدے پر اب تک شبہ تھا کہ جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد ممالک عربیہ کی آزاد انفرادیت تسلیم کرلی جائیگی۔

چنانچہ جس وقت لارنس نے شریف حسین کے آگے یہ تجویز پیش کی کہ فیصل کی فوجیں جنرل الینی کی ماتحتی میں چلی جائیں اور فیصل آئندہ جنرل الینی کی ھدایتوں پر عمل کرے تو شریف حسین نے دوبارہ اسی مسئلے کو اٹھایا تھا اور برطانیہ سے اس کی طمانیت چاہی تھی کہ وہ جنگ عظیم کے بعد اپنا وعدہ پورا بھی کریگا۔ اس پر لارنس نے شریف حسین کو یہ زبان دی تھی کہ حکومت برطانیہ اگر کوئی وعدہ کرلیتی ہے تو اس پر ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ اور کسی حالت میں اس سے نہیں پھرتی۔

لارنس کے کہنے سننے کا شریف حسین کو یقین آیا ہو یا نہ آیا ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ لارنس ہی کے یقین دلانے کے بعد شریف حسین نے اس کی منظوری دیدی کہ فیصل کی فوجیں آئندہ سے جنرل البنی کی ماتحتی میں رہیں اور برطانوی فوج کے ایک جزو کی حیثیت سے شام کی طرف پیش قدمی کریں۔

اب تک فیصل کو جس قدر فتوحات حاصل ہو چکی تھیں انمیں لارنس کی ذاتی "جاسوسانہ" قسم کی سرگرمیوں کو بڑا دخل تھا۔ یہ دُبلا پتلا حقیر سا انسان عربی لباس پہنے ایک چھوٹی سی بدوی جماعت کو ساتھ لئے رات دن صحرا کے بدوی قبائل میں چکّر لگایا کرتا تھا ـــــــ

کہیں شیوخ اور سرداران قبائل کو روپئے کا لالچ دیتا۔ کہیں وحدتِ عربیہ کا واسطہ دیتا۔ کہیں آزادی عرب کا سبز باغ دکھاتا۔ کہیں لُوٹ کے مال کا یقین دلاتا۔ غرض جس طرح بھی ہو سکتا ان بدویوں کو ترکوں کے خلاف اور فیصل کی حمایت پر آمادہ کرتا چلا جاتا تھا۔ وحشی بدویوں کو رام کرنا آسان نہیں خاصکر ایسی صورت میں جبکہ اکثر ہمسایہ قبائل میں مدّتوں سے آپس میں دشمنی بھی چلی آتی ہو لیکن لارنس کی شخصیت میں نہ معلوم کیا جادو تھا کہ اس نے نہ صرف ان قبائل کو رام کر لیا بلکہ ان کی آپس کی عداوتوں کو ختم کر کے انھیں ترکوں کی دشمنی پر متحد کر دیا۔

بدوی قبائل میں چکّر لگانے کے علاوہ لارنس نے اس کو بھی اپنا مشن

بنالیا تھا کہ جہاں موقع ملے ترکوں کی امدادی ریل گاڑیوں کو ڈائنامیٹ لگا لگا کر اڑا دے۔ اور جہاں پل نظر پڑے نیست و نابود کر دے۔ تار کے کھمبے اکھڑوا ڈالے غرض شام اور مدینہ کی ترکی فوجوں کے درمیان جس قدر ذرائع رسل و رسائل ہو سکتے تھے لارنس انھیں ایک ایک کر کے تباہ و برباد کرتا جاتا تھا۔ لارنس کی ان حرکتوں میں ایک طرف بدوی قبائل کی دلچسپی کا سامان تھا تو دوسری طرف ترکی فوجوں کیلئے بے پناہ مشکلات کا پیغام۔ اور دراصل ترکوں پر یہی دو طرفہ حملے تھے جن سے عرب اور شام میں ان کے قدم اکھڑے اور ایسے اکھڑے کہ پھر ترکی سرحد سے ورے نہ جم سکے۔

عقبہ پر عربوں کے قابض ہو جانے کے باعث مدینہ کی ترکی فوجوں کی پوزیشن بہت کمزور ہو گئی تھی۔ اور خود شام میں ترکوں کو قدم جمانے مشکل ہو گئے تھے۔ اس لئے ترکوں نے عربوں کو عقبہ سے نکال باہر کرنیکی فوراً تدبیریں کرنی شروع کر دیں۔

عقبہ کے شمال میں ترکوں کی ایک زبردست چھاؤنی تھی "معان" یہاں بہجت پاشا کی کمان میں سات ہزار کے قریب آلات جدید سے مسلح ترکی فوج پڑی ہوئی تھی۔ اس فوج نے عقبہ پر "گویرا" کے راستے چڑھائی کر دی اور "ابا اللسان" میں وادی موسیٰ کے دہانہ کا انتظام کر کے مورچہ بند ہو گئی۔ اس دوران میں عربی فوج بھی اپنی تھکن دور کر چکی تھی، ترکوں کے مقابلہ کو آگے بڑھی اور "پیٹرا" کے کھنڈروں میں خیمہ زن ہو گئی۔

برطانوی ہوائی جہازوں نے ترکوں پر بم برسانے شروع کئے۔ اور وادی موسیٰ کی پہاڑیوں پر سے چند چھپے ہوئے بدوی قبائل نے ترکوں کو زچ کرنا شروع کر دیا۔ بدوی حملے ترکوں کو دھوکا دینے کیلئے کئے گئے تھے اور ان میں وہ کامیاب رہے۔

۱۲۔ اکتوبر کو ترکی فوجیں پیٹرا کی پہاڑیوں میں جمع ہوئیں۔ عربوں کی ایک چوکی نے ان کا مقابلہ کیا۔ وادی موسیٰ کے بدوی قبائل نے ترکوں کی صفوں میں ابتری ڈال دی۔ برطانوی ہوائی جہازوں نے بم برسائے اور ہلکے سے مقابلہ کے بعد عربی فوج بہ ظاہر وادی موسیٰ کی طرف پسپا ہو گئی ترک جوش میں آگے بڑھے۔ وادی موسیٰ کی طرف، عربوں کی اصلی پوزیشن کو نظر انداز کر کے۔ دور تک بڑھتے چلے گئے۔ یہ ترکوں کی بہت بڑی غلطی تھی جس سے ترک زچ ہو گئے اور ترکی فوجیں تباہ و برباد ہو گئیں۔

جیسے ہی ترک وادی موسیٰ میں در آئے وادی کی ہر کھوہ اور پہاڑیوں کی ہر چٹان سے ان پر گولیوں اور گولوں کا مینہ برسنے لگا۔ ترک گھر گئے لڑائی میں شکست فاش اٹھائی۔ بہت سے ترک عربوں کے ہاتھ سے بچے اور بہت سے گرفتار ہو گئے۔

ترکوں کی اس شکست کے بعد عقبہ پر عربوں کا قبضہ مضبوطی سے قائم ہو گیا۔ اور مدینہ کی چھاؤنی کے ساتھ ترکوں کا فوجی رشتہ ٹوٹ گیا۔

عقبہ پر عربوں کی پیشقدمی کے دوران میں جنرل الینبی کی فوجیں بحیرہ روم

کے کنارے کنارے فلسطین کے جنوب میں بڑھتی جا رہی تھیں اور جس وقت عربوں نے "پیٹرا" میں ترکوں کو شکست دی اس وقت جنوبی فلسطین کے اکثر شہر جنرل الینبی کے قبضے میں آچکے تھے۔

۲۸۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو جنرل الینبی نے جنوبی فلسطین کا اہم بندرگاہ "غزہ" فتح کرلیا۔ اور وہاں سے "بیرسبع" کی طرف بڑھا۔ اور معمولی مقابلہ کے بعد بیرسبع پر بھی قبضہ کرلیا۔

عربی اور برطانوی فوجوں کی متحدہ یورش سے شام میں ترکی پوزیشن پر نہایت سخت دباؤ پڑ رہا تھا۔ اسی کے ساتھ ترکوں کی عربی فوجیں ایک ایک کرکے عربوں اور برطانیہ کی فوجوں سے ملتی جا رہی تھیں اور شام کے اکثر حصوں میں ترکوں کے خلاف علانیہ بغاوتیں ہونے لگی تھیں۔ خود ترکی فوج میں بھی بددلی اور مایوسی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

ان حالات کو دیکھکر جرمن جنرل فاکن ہان نے جس کے پاس شام کی ترکی فوجوں کی کمان تھی ترکی حکومت کو یہ مشورہ دیا تھا کہ ترکی فوجیں فوراً ہی شام اور فلسطین سے ہٹالی جائیں۔ مدینہ کی چھاونی خالی کردی جائے اور دمشق کے شمال میں اناطولیہ کی سرحد سے قریب حلب پر ترکی مورچہ قائم کردیا جائے۔ یہ بڑا قیمتی مشورہ تھا۔ اگر انور پاشا، وزیر جنگ جرمن جنرل کے اس مشورے پر عمل کرتے تو نہ شام میں ترکوں کی فوجیں تباہ ہوئیں اور نہ برطانیہ اور فیصل کی فوجوں کو دمشق تک پیشقدمی کرنیکی جرأت ہوتی لیکن انور پاشا نے جنرل فاکن ہان کے اس مشورے کو نہ مانا اور عرب پیشقدمی

کو "عمّان" پر اور البیٰ کو شرق اردن پر روکنے کا حکم دیدیا۔

فیصل کی فوجیں پٹرا کی فتح کے بعد ستارہی تھیں اور جنرل البیٰ کی فوجیں بیر سبع فتح کر چکنے کے بعد بیت المقدس کی طرف کوچ میں مصروف تھیں۔ شام کی فتح کے متعلق جنرل البیٰ نے اپنا ایک خاص پروگرام بنالیا تھا۔ اور اسی پروگرام کے ماتحت اس نے فیصل کو حکم دیا کہ عربی فوجیں پٹرا سے صحرا کے اندر ہو کر چکر دار راستہ سے عمان سے پچاس میل جانب شمال "دراعہ" پر حملہ کر دیں۔ تاکہ عمان اور شرق اردن کی ترکی فوجوں کا رستہ دمشق کی ترکی چھاونی سے منقطع ہو جائے۔ اور جنرل البیٰ شرق اردن کی ترکی فوجوں سے ایک فیصلہ کن جنگ کر سکے۔

"پٹرا" سے آگے بڑھتے ہی "مدوریہ" پر عربوں کا ترکی فوجوں سے ہلکا سا مقابلہ ہوا۔ اور اس کے بعد تیزی سے عربی فوجیں دراعہ کی طرف بڑھیں۔ لیکن ترکوں کو بھلاوا دینے کیلئے چند عربی قبائل کا رخ عمّان کی طرف رکھا۔

دوسری طرف جنرل البیٰ نے بیت المقدس فتح کرلیا۔ اور اس کی فوجیں ایک فیصلہ کن جنگ کیلئے وادی اردن کی طرف بڑھنی شروع ہوگئیں۔

جزیرۃ العرب کی جنگ میں یہ آخری معرکہ تھا جس کے بعد ترکی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور عربی اور برطانوی فوجوں نے آسانی کے ساتھ شام کے

پایہ تخت دمشق پر قبضہ کر لیا۔

پیرا سے جو عرب فوجیں "درعہ" کی طرف پیشقدمی کر رہی تھیں ان کے راستے میں بے پناہ مشکلات تھیں۔ سب سے زیادہ جس چیز نے عرب فوجوں کو پریشان کیا وہ یہ تھی کہ کئی کئی دن انھیں اور ان کے جانوروں کو اس صحرا میں پانی نصیب نہ ہوا۔

کئی دن کی مسلسل پیش قدمی کے بعد عربی فوجیں "ازرک" کے سامنے پہونچیں۔ اور مزید شمال کی طرف پیش قدمی کرنے سے پہلے ستانے لگیں۔ علاوہ اس کے موسم برسات بھی شروع ہو گیا تھا جس کے باعث آگے کامیابی سے پیش قدمی جاری رکھنا مشکل تھا۔ حملے سے پہلے ازرک پر عربوں نے اپنی باقاعدہ فوجیں، مسلح گاڑیاں، ہوائی جہاز اور بدویوں کی زبردست ٹولیاں جمع کر لیں۔ اور جیسے ہی موسم برسات ختم ہوا عرب فوج نے درعہ کے شمال، جنوب اور مغرب پر حملہ کر کے وہ ترکی لائن توڑ دی جو دمشق کے ترکی مرکز سے "الناصرہ" (Nazereth) عمّان اور درعہ کی ترکی فوجوں کا رشتہ جوڑے ہوئے تھی۔ اس مہم میں شیخ سعد کی پہاڑی پر درعہ اور مزراب کی ترکی فوجوں سے عربوں کا جما ہوا مقابلہ بھی ہوا لیکن ترکوں کو شکست ہوئی اور عربوں نے درعہ کے جنوب میں "مفرک" کے پاس شمال میں "عزارہ" پر اور مغرب میں "مزراب" کے قریب ترکی ریلوے کو تباہ کر دیا۔ اور فلسطین کی ترکی فوجوں سے قسطنطنیہ

کا جو واحد رشتہ اب تک برقرار تھا وہ توڑ دیا۔

عربوں اور ترکوں کے اس آخری معرکہ کے متعلق کرنل اسٹرلنگ ایک انگریز افسر جو ترکوں کے خلاف عربوں کے ایک کالم کی کمان کر رہا تھا اپنے ایک امریکن دوست کو ایک خط میں لکھتا ہے :-

"ہم نے جزیرۃ العرب کی بغاوت پر جو بے دریغ روپیہ اور اپنا وقت خرچ کیا اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکل آیا۔ عربوں کا یہ آخری حملہ نہایت ہنگامہ خیز تھا۔ جس وقت ہم اس حملے کیلئے اپنے مرکز سے روانہ ہوئے ہیں تو ہمارے پاس صرف چار سو باقاعدہ عرب فوج تھی۔ اس فوج کے ساتھ ہم نے ترکوں کے فوجی مرکزوں سے میلوں پرے چکر کاٹتے ہوئے تقریباً چھ سو میل صحرا میں سفر طے کیا اور اچانک ان پر جا پڑے اور انھیں کاٹ کر رکھدیا۔

جنرل البنی کی پیش قدمی سے دو دن پہلے ہم نے ترکوں کی تین ریلوے لائنیں کاٹ دیں۔ اور پانچ دن تک ترکوں کی کوئی ریل ترکی فوج تک نہ پہنچنے دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ترکوں کی پسپائی شروع ہوئی تو انھوں نے دیکھا کہ ان کے اسلحہ کے مرکز اور کھانے پینے کی چیزوں کے ڈپو خالی پڑے ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ دن ہم پر بھی بہت سخت گزرے ہر رات کو ہمیں دو دو مرتبہ اپنا کیمپ بدلنا پڑتا تھا کہ کہیں دشمن اچانک ہم پر حملہ نہ کر بیٹھے۔ اور یہ سب احتیاطیں محض اس لئے تھیں کہ ہماری فوج بہت کمزور تھی۔ لیکن جب یہاں سے ہم نے دمشق کی

طرف کوچ شروع کیا تو ہمارے پاس علاوہ پیدل کے گیارہ ہزار صرف عرب سوار تھے۔"

جس دن فیصل کی فوجوں نے دراعہ کے اطراف کی ترکی ریلوے لائنوں کو تباہ کر کے دمشق سے فلسطین کے ترکوں کا رشتہ منقطع کر دیا اس کے دو دن بعد البنی نے وادی اردن میں ترکوں پر حملہ کر دیا۔

اس حملے کے وقت شام کی فوجوں کا جرمن کمانڈر لیمان فان سنڈرس الناصرہ میں مقیم تھا۔ مگر اس طرح کہ اس کا رشتہ دمشق کے مرکز سے منقطع ہو چکا تھا۔ اور اس کی فوجوں میں اس قدر دم نہ تھا کہ جنرل البنی کے حملوں کو روک سکے۔

۱۹ ستمبر ۱۹۱۸ء کو یہ فیصلہ کُن معرکہ شروع ہوا۔ جنرل البنی کی فوجوں نے ترکی فوجوں کو وادی اردن میں گھیر کر پوری قوت سے ان پر حملہ کر دیا۔ ترکی لائن بہت جلد ٹوٹ گئی اور بہت بری طرح دمشق کی طرف پسپا ہونے لگی۔ لیکن البنی نے اس مرتبہ محض ترکوں کی پسپائی پر قناعت نہیں کی بلکہ ترکوں کی منتشر فوج پر اپنے ہوائی جہازوں سے پے در پے حملے کر کے آدھے سے زیادہ ترکوں جرمنوں اور اسٹریا والوں کو ختم کر دیا۔

وادی اردن میں ترکوں کا ایک پورا ڈویژن البنی نے گھیر کر تباہ کر ڈالا تھا۔ اور جو ترک البنی کی زد سے بچ کر نکلے ان میں سے اکثر مقامی

بدوی اور فیصل کے ساتھی صحرائی قبائل کی گولیوں کی نذر ہوگئے۔
ترکوں کو اس معرکہ میں مکمل شکست ہوئی اور شام پر عربوں کا قبضہ ہوگیا۔

اس شکست کے بعد ترکوں نے نہایت تیزی سے دمشق خالی کر دیا اور ترکوں کے پیچھے پیچھے عرب فوجیں اور عرب فوجوں کے پیچھے برطانوی فوجیں مظفر و منصور ۳۰ ستمبر ۱۹۱۸ء کو دمشق میں داخل ہوئیں۔ عرب فوجیں جو فیصل کی فوج کا ہراول تھیں برطانوی فوجوں سے پہلے دمشق میں داخل ہوئیں۔ گویا شام پر قبضے میں اوّلیت فیصل کو حاصل ہوگئی یا دیدی گئی۔
فیصل بذات خود ابھی دراعہ میں مقیم تھا اور البنی یا فا میں۔ لیکن فیصل کا ہراول لارنس کی کمان میں دمشق میں پہونچ گیا تھا۔ اسی طرح برطانوی فوجوں کا ہراول بھی دمشق میں داخل ہو چکا تھا۔ دمشق پہونچکر لارنس کو جو فیصل کے نائب کی حیثیت میں تھا ایک اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا شامیوں نے ترکوں کی پسپائی اور عربوں کی فتح کا حال سن کر فوراً اپنی ایک عارضی حکومت بنا لی اور اس عارضی حکومت کا صدر امیر عبد القادر کو منتخب کیا۔ یہ امیر عبد القادر الجیریا کے امیر کا پوتا تھا جس نے فرانسیسیوں سے لڑائی میں شکست کھانے کے بعد دمشق میں سکونت اختیار کر رکھی تھی اور ترکوں کا نہایت معتمد امیر بن گیا تھا۔ اور ترکوں نے دمشق کے قرب و جوار میں اس کو بہت سی زمینیں بھی دیدی تھیں۔

۱۹۱۷ء میں جب عربوں نے عقبہ فتح کر لیا تو امیر عبدالقادر فیصل کے پاس عقبہ پہونچا۔ اور فیصل کو یہ یقین دلایا کہ وہ ترکوں سے بھاگ کر اس کے پاس آیا ہے۔ اور اس جنگ میں فیصل کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ فیصل کو اس بات کا یقین آگیا۔ اور نہ صرف فیصل نے اس کا یقین کر لیا بلکہ شریف حسین نے بھی امیر عبدالقادر کو مکّہ بلا کر اسے خطاب دیا۔ شریف حسین کے اس اظہار اعتماد کے بعد امیر عبدالقادر کو یہ موقع مل گیا کہ وہ فیصل کی فوجوں کی پیشقدمی کے متعلق ضروری اور راز کی باتیں معلوم کر لیا کرے۔ چنانچہ جب فیصل کی فوجیں عقبہ سے وراعہ کی طرف روانہ ہوئیں تو امیر عبدالقادر نے فیصل کی فوج کی صحیح منزل مقصود سے شام کے گورنر کو آگاہ کر دیا تھا۔ لیکن اس قبل از وقت آگاہی کے باوجود جب ترکوں کو شکست ہوگئی تو عبدالقادر نے یہ حرکت کی کہ پھر فیصل کے پاس واپس آگیا۔ اور اس کو دمشق کی ترکی پوزیشن کے متعلق حالات بنا دیئے۔ اور جب وادی اردن میں ترکوں کو آخری شکست ہوگئی تو امیر عبدالقادر فوراً دمشق واپس آیا اور دروزیوں سے مل کر اس نے شریف حسین کے نام سے دمشق میں ایک حکومت بنا ڈالی اور اس حکومت کا صدر خود بن بیٹھا۔ چنانچہ جس وقت لارنس فیصل کے مقدمۃ الجیش کے ساتھ دمشق پہونچا تو اس نے دیکھا کہ امیر عبدالقادر وہاں اپنی حکومت قائم کر چکا ہے۔ اور دروزی اس کی حمایت میں ہیں فیصل کے باقاعدہ دمشق پہونچنے میں ابھی دیر تھی اور لارنس فیصل کے نائب کی حیثیت سے آیا تھا اس لئے یہ ذمّہ داری اس پر تھی کہ فیصل کے آنے

تک دمشق پر فیصل کا قبضہ قائم رکھے ۔ اس لئے اس نے دمشق پہونچتے ہی عبدالقادر کی حکومت کو توڑ دیا ۔ اور ایک نئی عارضی حکومت اس نے وہاں قائم کی جس کا صدر شکری پاشا ایوبی کو منتخب کیا ۔ لارنس کی اس حرکت نے امیر عبدالقادر کو بے انتہا مشتعل کیا اور اس نے اطرش پاشا دروزی کی مدد سے خود شریف حسین اور فیصل کے خلاف دمشق میں بغاوت شروع کر دی ۔

لیکن امیر عبدالقادر اور اس کے ساتھیوں کی یہ بغاوت بڑھنے نہ پائی لارنس نے اسے ابتدا ہی میں نہایت سختی سے کچل دیا ۔ اور جو عارضی حکومت لارنس نے دمشق میں بنائی تھی وہ عام طور پر تسلیم کر لی گئی ۔

دمشق میں عربی اور انگریزی فوجوں کے داخلہ کے کچھ دنوں بعد امیر فیصل اور جنرل البنی سرکاری طور پر شہر میں داخل ہوئے ۔ جنرل البنی موٹر کے ذریعہ دمشق میں داخل ہوا اور امیر فیصل درا عہ سے اسپیشل ٹرین کے ذریعے آئے ۔ دونوں تقریباً ایک ہی وقت دمشق پہونچے ۔ اور پہلی مرتبہ فیصل اور البنی ایک دوسرے سے ملے ۔

اس موقع پر البنی نے فیصل کو برطانوی دفتر خارجہ کا ایک تار دیا جس میں حکومت برطانیہ نے عربوں کو ایک فوجی قوت کی حیثیت سے تسلیم کر لیا تھا ۔ فیصل نے البنی کا شکریہ ادا کیا اور یہ ملاقات دمشق کیلئے انتظامات

کے متعلق مشوروں پر ختم ہوگئی۔

دمشق چونکہ فیصل کی عربی فوجوں کی مدد سے فتح کیا گیا تھا اس لئے شام پر فیصل کی بادشاہت گویا طے شدہ سی بات تھی۔ چنانچہ دمشق کی فتح کے کچھ دنوں بعد جب یوروپین حکومتوں میں صلح ہوگئی تو جنرل البنی دمشق کا سارا انتظم و نسق بے تکلف فیصل کو سپرد کرکے انگلستان روانہ ہوگیا اور امیر فیصل شام کے بادشاہ کہلائے جانے لگے۔

دمشق کی فتح کے ساتھ عرب کی جنگ ختم ہوگئی اور یورپ کی حکومتوں کے درمیان صلح ہو جانے کے بعد جنگ عظیم ہی کا خاتمہ ہوگیا۔ لیکن مدینہ کو جنگ کے خاتمے کے بعد بھی ترکی کے مشہور جنرل فخر الدین پاشا نے عربوں کے حوالے کرنے سے انکار کردیا۔ اس بہادر جنرل نے اپنے مٹھی بھر ترک سپاہیوں سے کامل دو برس تک مدینے پر قبضہ رکھا۔ اور اس ساری مدت میں اگرچہ امیر عبداللہ کی فوجیں مدینے کا محاصرہ کئے رہیں، لیکن انھیں اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ فخر الدین پاشا اور اس کی فوجوں کو مدینے سے باہر نکال دیتیں۔ بلکہ جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد بھی جب جنرل فخر الدین پاشا مدینے کو عربوں کے حوالے کرنے پر راضی نہ ہوئے تو عربوں کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ مدینے کا برابر محاصرہ کئے پڑے رہیں۔ لیکن اس محاصرہ کے زمانہ میں چونکہ ترکی فوجوں کی حالت بہت خراب ہوگئی تھی اور اس کا ان کے حوصلے پر بہت بُرا اثر پڑا

تھا اس لیئے وہ جنگ کے خاتمے کے بعد زیادہ دنوں تک محصور حالت میں نہ رہ سکے۔ اور ایک دن موقع پاکر انھوں نے اپنے شیردل کمانڈر جنرل فخرالدین پاشا کو خود ہی گرفتار کر لیا اور شہر مدینہ امیر عبداللہ کے حوالے کر دیا۔ اس طرح جنگ عظیم کے ختم ہونے کے تین مہینے بعد یعنی ۱۰ جنوری ۱۹۱۹ء کو مدینہ عربوں کے قبضے میں آیا۔

عربوں کے ہاتھوں مدینہ کی فتح کے بعد سارا عرب علاقہ گویا ترکی اقتدار سے آزاد ہوگیا۔ اور شریف حسین اور سر ہنری میک ماہن کے معاہدہ کے مطابق حکومت برطانیہ کا یہ فرض ہوگیا کہ عراق شام اور نجد وحجاز کے عربی بولنے والے علاقے کو آزاد عرب علاقہ تسلیم کرلے اور اپنے جنگ عظیم کے ساتھیوں سے بھی اس کی آزاد حیثیت تسلیم کرا لے لیکن جنگ کے اختتام حبیب شریف حسین نے اس سلسلہ میں برطانیہ سے سلسلہ جنبانی کی تو یکایک ایک نئے خفیہ معاہدے کا انکشاف ہوا۔ یہ معاہدہ دوران جنگ میں خفیہ طور پر انگلستان اور فرانس کے درمیان طے ہوا تھا اور "سائیکس پیکاٹ" (Sykes Picot) کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی رُو سے برطانیہ اور فرانس نے فلسطین اور شام کے علاقے آپس میں تقسیم کر لیئے تھے اور باقی علاقے عربوں کیلئے چھوڑ دیئے تھے۔

اگرچہ جنگ کے دوران ہی میں ترکوں کے ذریعے یہ افواہیں عربوں تک پہونچ چکی تھیں کہ شام اور فلسطین کے متعلق فرانس اور برطانیہ

میں پہلے ہی سمجھوتا ہو چکا ہے۔ اور عرب برطانیہ پر اعتماد کر کے بیوقوف بن رہے ہیں۔ لیکن عربوں نے ان افواہوں کا پوری طرح یقین نہیں کیا تھا۔ اور شریف حسین کے شبہ کو بھی لارنس نے یہ کہہ کر دور کر دیا تھا کہ انگریزوں نے جو وعدہ کیا ہے وہ حرف بحرف پورا کیا جائیگا۔

لیکن اب جو برطانیہ اور فرانس کا یہ خفیہ معاہدہ طشت از بام ہوا تو شریف حسین اور فیصل کے غم و غصے کی کوئی انتہا نہ رہی۔ لیکن اس نوبت پر غم و غصے کا اظہار بعد از وقت اور خلاف تدبر تھا۔ اس لئے فیصل نے شریف حسین کی رہنمائی کی اور اسے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ پیرس میں جو صلح کانفرنس کا اعلان کیا گیا ہے اس کانفرنس میں عربوں کے نمائندے اپنا مطالبہ پیش کریں اور آئینی طور پر شام اور فلسطین پر اپنے نسلی حقوق ثابت کریں۔ بڑی ردوکد کے بعد شریف حسین اس پر راضی ہوا۔ اور عربوں کا ایک وفد فیصل کی قیادت میں پیرس کانفرنس کے آگے اپنے مطالبات پیش کرنے روانہ ہو گیا۔

لارنس" ابھی تک "عربوں کا دوست تھا، عربی وفد کی آمد کے موقع پر یہ فوراً مارسیلیز پہونچا اور فیصل کو ساتھ لیکر پیرس آیا، اس موقع پر فرانسیسی حکومت کے طرز عمل سے یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ برطانیہ فیصل کے معاملہ میں جس قدر دلچسپی لے رہا ہے فرانس اس کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا لیکن فرانس کی اس سرد مہری سے فیصل بددل نہیں ہوا۔ اور اس نے

کانفرنس کے آگے مطالبات پیش کرنیکی تیاریاں شروع کر دیں۔
فیصل کی سیاسی سوجھ بوجھ کے اصلی جوہر اسی کانفرنس میں کھلے اگرچہ اس سے پہلے فیصل کو مغربی قوتوں کی کسی کانفرنس کا تجربہ نہ تھا۔ لیکن اس موقعے پر جس خوبی اور قابلیت کے ساتھ فیصل نے اپنے مطالبات پیش کئے وہ اس بات کا ثبوت تھا کہ فیصل عربوں میں ایک استثنائی قابلیت کا سیاسی مدبّر ہے۔ جسے برطانیہ اور فرانس نظر انداز نہیں کرسکتے اور نہ اس کے مطالبات کو ٹال سکتے ہیں۔

اس کانفرنس میں برطانیہ کا پوزیشن بہت نازک تھا۔ جنگ عظیم میں عربوں کو اپنے ساتھ ملانے کیلئے ایک طرف عربوں سے حتمی وعدے کرلئے تھے، دوسری طرف یہودیوں کو فلسطین کے متعلق زبان دیدی تھی اور تیسری طرف سلطنت عثمانی کے عربی صوبوں کو فرانس کے مشورے سے اس طرح تقسیم کر دیا تھا کہ فلسطین پر برطانیہ کا اقتدار رہے۔ اور شام اور اس کے شمال کا علاقہ یعنی جنوبی آرمینیا میں سیلو اس سے دیار بکر تک فرانس کے حوالے کر دیا تھا۔

اب بحث یہ تھی کہ ان متعدد اور متضاد قسم کے معاہدوں کی تکمیل کس طرح کی جائے کہ کسی قوم کو شکایت کا موقع نہ ملے۔

ظاھر ہے کہ فرانس کو برطانیہ دبا نہیں سکتا تھا، یہودیوں کو زبانا دیکر کھو نہیں سکتا تھا اس لئے کہ وہ یہودیوں کا مقروض تھا۔ اب آخا کرنا

گئے عرب جنھیں برطانیہ نے جنگ کے دوران میں لاکھوں پونڈ اور بحساب اسلحہ دیئے تھے اور ان کو کامیاب بنانے میں خود بھی حصہ لیا تھا فرانس انھیں دبانا چاہتا تھا۔ لیکن وعدہ ان سے بھی برطانیہ نے کر لیا تھا اس لئے عربوں کو دبانے میں برطانیہ علانیہ فرانس کا ساتھ نہیں دینا چاہتا تھا البتہ اس کانفرنس میں برطانیہ کی کوشش یہی رہی کہ کسی طرح عرب نمایندوں سے ایسا تصفیہ ہو جائے کہ برطانیہ پر وعدہ خلافی کا الزام نہ آسکے۔

فیصل نے کانفرنس میں جو انداز اختیار کیا وہ سراسر فرانس کیخلاف تھا۔ فیصل کا کہنا یہ تھا کہ شام کی جنگ عربوں نے فتح کی ہے۔ برطانیہ بیشک اس جنگ میں عربوں کا مددگار رہا لیکن اس ساری لڑائی میں فرانس نے کوئی فوجی مدد عربوں کو نہیں دی۔ لڑائی کے آخری دور میں برائے نام فرانس کا ایک فوجی دستہ شام میں بھیجا گیا تھا جو لڑنے کے بجائے نمائش کا کام دیتا رہا۔ اس ایک فوجی دستے کے بل پر فرانس کا دعویٰ ہرگز شام پر تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

شام کے علاوہ فیصل نے فلسطین اور عراق کو بھی عرب سے جدا کرنے کی سختی سے مخالفت کی۔ وہ کسی ایسی تجویز کو سننے تک کا روادار نہ ہوا جسکی رُو سے فلسطین کے سلطنت یہود بن جانیکا امکان پیدا ہو جاتے۔ اُسے اس پر اصرار تھا کہ فلسطین ایک علیحدہ ملک نہیں ہے بلکہ سرزمین شام کا ایک صوبہ ہے۔ اس اعتبار سے فلسطین کبھی شام سے اور عرب ممالک سے

علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اس نے یہ بات مان لی تھی کہ اگر یہودی فلسطین میں بسنا چاہیں تو عربوں کو اس پر اعتراض نہ ہوگا۔ وہ اپنے مدرسے علیحدہ کھول سکتے ہیں اور اپنی تہذیب کے مرکز بھی فلسطین میں قائم کر سکتے ہیں بلکہ وہ فلسطین کی حکومت میں بھی حصّہ لے سکتے ہیں۔ لیکن بالکل اس طرح جس طرح اقلیتیں کسی اکثریت کے ساتھ حکومت میں شریک ہوتی ہیں۔ یہ کبھی نہ ہوگا کہ یہود فلسطین میں اکثریت حاصل کرلیں یا حکومت فلسطین پر قبضہ حاصل کرلیں۔ فلسطین عربوں کی سرزمین ہے عربوں ہی کی رہیگی اس کی حیثیت ہمیشہ سے عرب سلطنت کے ایک جزو کی سی ہے۔ اور یہی حیثیت اس کی ہمیشہ برقرار رہیگی۔

فیصل نے اس کانفرنس میں عربوں کے خیالات کی پوری پوری نمائندگی کی اور اس گفت وشنید کے دوران میں ایسا مدبّرانہ انداز قائم رکھا جو مغرب کے تجربہ کار مدبّروں کو متاثر کئے بغیر نہ رہا۔

عربوں کے سارے مطالبات تو ظاہر ہے کہ مغربی قومیں منظور نہیں کر سکتی تھیں تاہم فیصل کی دلیلوں کے آگے اس حد تک وہ ضرور جھک گئیں کہ "بیروت" کو علیحدہ کر کے انھوں نے شام میں "فرانس کے زیر سایہ" عربوں کی حکومت کا قیام منظور کر لیا۔ اور فلسطین کے مسئلے کو کسی اور وقت کیلئے اٹھا رکھا۔ مقصد یہ تھا کہ اس وقت فیصل سے اُلجھنے کے بجائے معاملہ کو ٹھنڈا کر کے اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کرلیں۔

پیرس کانفرنس کے خاتمہ کے بعد فیصل انگلستان آیا اور یہاں برطانوی حکومت کے بڑے بڑے عہدہ داروں سے ملاقات کر کے دمشق واپس ہوا۔ شام کے بڑے بڑے شہروں میں فیصل کی واپسی کی خوشیاں منائی گئیں۔ اور دمشق نے نہایت تزک و احتشام سے اپنے نجات دہندہ کا استقبال کیا۔ اور یورپ سے واپس آنے کے چند ہی دنوں بعد نہایت دھوم دھام سے دمشق میں فیصل کی تاج پوشی ہوئی۔ اور فیصل شام کا بادشاہ منتخب ہو گیا۔

فیصل نے جنگ عظیم میں جس کامیابی سے ترکوں کے مقابلے میں عرب فوجوں کی قیادت کی تھی اور پیرس کانفرنس میں جس مدبرانہ انداز میں عربوں کے مطالبات پیش کئے تھے یہ گویا اس کا صلہ تھا۔ اور فیصل ذاتی طور پر اس کا اہل اور مستحق بھی تھا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ فیصل اس صلہ سے تادیر متمتع نہ ہو سکا۔ اور اپنی تاج پوشی کے صرف بارہ مہینے بعد اسے اپنی بادشاہت سے دست بردار ہونا پڑا۔ یہ حقیقتاً اس پر ظلم تھا کہ اس نے جس سرزمین کو اپنی تلوار کے زور سے فتح کیا تھا اور جہاں کی بادشاہت اس کا جائز حق تھا اس حق سے اسے محروم کر دیا جائے لیکن فیصل کے ساتھ یہ ظلم ہوا اور اس طرح ہوا کہ حکومت برطانیہ بھی اس کی مدد نہ کر سکی۔

اصل میں فیصل کی تاج پوشی کے بعد ہی حکومت شام کے سامنے

دو اہم سوال آ گئے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ فرانسیسی "آقاؤں" کو کس طرح خوش کیا جائے۔ اور دوسرا یہ کہ اتنا روپیہ کہاں سے آئے جو شام کے نظم و نسق کو دوبارہ سنبھالا جائے۔

روپیہ کے سوال کا جہاں تک تعلق تھا فیصل نے اسے ذاتی طور پر حل کرنے کی کوشش کی۔ اپنا ذاتی سرمایہ حکومتِ شام کے نذر کر دیا۔ لیکن کام اس سے بھی نہ بنا۔ رہا تعلقات کا معاملہ یہ اس سے بھی زیادہ مشکل ثابت ہوا اپنی طرف سے تو فیصل نے انتہائی کوشش کی کہ حکومتِ شام اور حکومت فرانس کے تعلقات بگڑنے نہ پائیں لیکن دروزی قبائل نے فیصل کی کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ امیر عبد القادر نے ابتدا ہی میں شریف حسین اور فیصل کے خلاف دروزیوں میں جو زہر پھیلا دیا تھا وہ برابر اپنا کام کر رہا تھا۔ چنانچہ فیصل کی تاج پوشی کے بعد بھی ان قبائل نے فیصل کو اپنا بادشاہ تسلیم نہیں کیا۔ اور برابر ملک کے نظم و نسق میں رخنے ڈالتے رہے۔ اسی کے ساتھ حکومت کے بعض شعبوں پر اقتدار قائم رکھنے کے متعلق فرانس اور فیصل کی حکومت میں کچھ اختلاف پیدا ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ اختلاف اس قدر بڑھا کہ نوبت جنگ و پیکار تک پہونچی۔ اور فرانس نے فیصل کو الٹی میٹم دیدیا کہ وہ ۲۔ اگست ۱۹۲۰ء تک شام کی حدود سے باہر ہو جائے ورنہ فرانسیسی فوجیں دمشق پر حملہ کر دیں گی۔ اس الٹی میٹم کے ساتھ ہی فرانسیسی فوجوں کی نقل و حرکت بھی شروع ہو گئی۔ اور فیصل کیلئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ فوراً اپنے متعلقین

اور اسٹاف کو لیکر دمشق سے چلا جائے۔

سر رونلڈ اسٹورس نے اپنی کتاب "اورئینٹیشنس" میں وہ آخری مراسلت درج کی ہے جو فیصل اور حکومت فرانس کے درمیان ہوئی تھی، اس مراسلت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فیصل آخر وقت تک فرانس سے مصالحت کرنے اور اس کے سارے مطالبات تسلیم کرنے کو تیار تھا لیکن حکومتِ فرانس اس کیلئے تیار نہیں تھی کہ وہ آئندہ بھی فیصل سے کوئی تعلق رکھے۔ یا شام پر اس کا اثر تسلیم کرے۔

جس وقت حکومتِ فرانس نے اپنے بیروت کے گورنر کی معرفت فیصل کو شام پر فرانسیسی انتداب تسلیم کرنیکا الٹی میٹم دیا اور ساتھ ہی دمشق کی طرف فرانسیسی فوجیں بھی روانہ کر دیں تو فیصل نے ۲۱۔جولائی کو بیروت کے گورنر کو لکھا:۔

"آپ کے ۲۱۔ جولائی کے مراسلہ میں جو شرائط درج تھیں ان کو تمام و کمال تسلیم کر لینے کے بعد بھی یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کی فوجیں دمشق کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ لیکن میں بے وجہ خون خرابہ پسند نہیں کرتا۔ اس لئے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی فوجوں کی پیش قدمی روک دیجئے تاکہ ان باتوں پر غور ہو سکے جو آپ نے آج ہی ذریعہ تار ہمارے آگے پیش کی ہیں۔ ... میں اپنی حکومت کا ایک افسر ان معاملات میں حکومت دمشق کی طرف سے گفتگو کرنے کیلئے آپ کی

خدمت میں بھیج رہا ہوں ۔

"فیصل"

فیصل کے اس خط کے جواب میں بیروت کے فرانسیسی جنرل کی طرف سے دو صورتیں فیصل کے آگے پیش ہوئیں " شام چھوڑ دو، یا ہم سے جنگ کرو " فیصل نے ۲۳۔ جولائی کو پھر لکھا :۔

"ہم جنگ نہیں کرنی چاہتے ، لیکن آپ کے آخری مطالبہ کو اگر ہم تسلیم کرلیں تو ہم یقیناً خانہ جنگی میں مبتلا ہو جائیں گے اور میری حکومت کے سارے ممبروں کی اور خود میری جان خطرہ میں ہوگی۔ ہم آپ کے ۱۴۔ جولائی کے الٹی میٹم کی شرائط تمام وکمال تسلیم کرنیکو تیار ہیں بلکہ چار شرطیں ہم پوری بھی کرچکے ہیں اور باقی شرائط بھی ہم نہایت وفاداری سے پوری کردیں گے ۔ اگر آپ کی فوجیں شام کے ان مقامات سے ہٹ جائیں جن پر وہ اس وقت قابض ہیں "

"فیصل"

فیصل کے اس انتہائی عاجزانہ خط کے جواب میں بیروت کے فرانسیسی گورنر کا نہیں بلکہ اس کے ماتحت فوجی مشن کے صدر کرنل تولات کا یہ مختصر اور رسمی مراسلہ ۲۷۔ جولائی کو فیصل کو پہونچتا ہے ۔

"میں حکومت فرانس کا یہ فیصلہ "یور رائل ہائی نس" کے گوش گذار کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ جس قدر جلد ممکن ہوسکے یور رائل ہائینس

معہ اپنے متعلقین اور ذاتی اسٹاف کے حجاز ریلوے کے ذریعہ
دمشق چھوڑ دیں۔
اسٹیشن پر یور رائل ہائی نس اور متعلقین کیلئے ایک اسپیشل ٹرین
موجود ہے جو کل ۲۸۔ جولائی ۱۹۲۰ء کی صبح پانچ بجے یور رائل ہائنس
کو لیکر روانہ ہوجائیگی ''۔

لیکن جب فیصل نے حکومت فرانس کے اس مراسلے پر بھی عمل نہ کیا تو ۳۱۔ جولائی کو فرانسیسی ہوائی جہازوں نے دمشق پر فیصل کیخلاف چھپے ہوئے اشتہارات پھینکے۔ اور دھمکی دی کہ اگر ۲۔ اگست ۱۹۲۰ء تک فیصل شام کی سرحد سے باہر نہ ہوگیا تو فرانسیسی فوجیں دمشق پر چڑھائی کردیں گی۔

اس آخری تنبیہہ کے بعد بیچارے فیصل کیلئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہا کہ دوسرے ہی دن اپنے متعلقین اور اسٹاف کے ساتھ دمشق سے حیفا روانہ ہوجائے۔

تاریخ میں شاید کسی فاتح کی اس درجہ بے بسی کی کوئی نظیر نہیں ملے گی کہ جس سرزمین کو وہ اپنی تلوار کے زور سے فتح کرے اور جہاں کی بادشاہت کو وہ اپنا جائز حق سمجھے وہاں سے اپنے منظفر و منصور داخلہ کے صرف بارہ مہینے بعد اس بُری طرح نکالا جائے!۔۔۔۔۔۔
فیصل شام کا فاتح تھا، اپنی تلوار کے زور سے اس نے یہ ملک حاصل

کیا تھا . . . . اور اسلامی ممالک کی نظروں میں حقیر ہو کر اس نے یہ فتح حاصل کی تھی ۔ اپنی ذات اور اپنی قوم پر آڑے وقت میں ترکوں سے غدّاری کا الزام لیکر یہ معرکہ سر کیا تھا ۔ اس توقع کی ساتھ کہ اپنی قوم کو مدّت کی چھنی ہوئی دولتِ آزادی سے مالامال کر دے گا ۔ اور صدیوں بعد ایک زبردست اور باجبروت آزاد عرب سلطنت کی بنیاد ڈال دے گا ۔ لیکن افسوس کہ اس کی یہ توقع پوری نہ ہوسکی ۔ شام ترکوں کی غلامی سے آزاد ہوا تو فرانس کی غلامی میں چلا گیا ۔ اور فیصل فاتح ہو کر مفتوح بن گیا !!

لیکن فیصل کی اب بھی برطانیہ سے توقعات وابستہ تھیں اور فی الحقیقت اس انتہائی مایوسی کے عالم میں برطانیہ ہی اس کا آخری سہارا رہ گیا تھا ـــــــ جنرل الینبی اس وقت مصر میں تھا ۔ فیصل حیفا سے فوراً مصر روانہ ہو گیا ۔ اس خیال کے ساتھ کہ شاید الینبی شام کے معاملہ میں اس کی مدد کر سکے ۔ لیکن اب زمانہ امن کا تھا الینبی سوائے "ڈھارس" کے فیصل کو اور کچھ نہ دے سکا ۔ فیصل الینبی سے مایوس ہو کر لندن پہونچا ، یہاں کی فضا بدل چکی تھی ۔ اور حکومتِ برطانیہ کسی قیمت اس پر راضی نہیں تھی کہ اپنے حلیف فرانس کو ناراض کرے ۔ اور اصولاً وہ فیصل اور فرانس کے معاملات میں مداخلت کر بھی نہیں سکتی تھی ، اس لئے کہ جنگ عظیم کے بعد عراق و عرب تقریباً

سارے کا سارا کسی نہ کسی انداز سے برطانیہ کے زیر اقتدار آ گیا تھا۔
اور اس مال غنیمت میں فرانس کو صرف ایک چھوٹا سا ٹکڑا شام کا ملا تھا
اب اس چھوٹے سے ٹکڑے میں بھی اگر برطانیہ فرانس کے اقتدار
کو چیلنج کر بیٹھتا تو یہ اس کی سراسر زیادتی ہوتی۔ جس کے بعد اس کو
مجلس اقوام میں شرمندہ ہونا پڑتا۔ یہی وجہ تھی کہ برطانیہ نے فیصل
کو خواہ مخواہ فرانس کے سر منڈھنے کی کوشش نہیں کی۔ اور نہ شام
سے اُسے نکالے جانے کے واقعہ کو کوئی اہمیت دی۔ لیکن حکومت
برطانیہ چونکہ فیصل کو بھی کورا نہیں ٹال سکتی تھی اس لئے اس نے پوری
توجہ سے فیصل کی بپتا سُنی اور جہاں تک زبانی ہمدردی اور ڈھارس کا
تعلق تھا اس میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ لیکن فیصل کی
مشکلات کا کوئی فوری حل اس کے پاس نہ تھا۔ اور نہ فوراً ہی کوئی حل وہ
دریافت کر سکی۔

جس زمانہ میں حکومت فرانس فیصل سے اُلجھ رہی تھی اسی زمانہ
میں برطانیہ کیلئے بھی عراق میں مشکلات پیدا ہو گئی تھیں۔ ترکی کے ان
جنوبی مشرقی صوبوں کو فتح کرنے کے بعد برطانیہ نے انھیں اپنے انتداب
میں لے لیا تھا۔ اور جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد سے وہاں برابر برطانیہ
کا ہائی کمشنر حکومت کر رہا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں عراقیوں کو اپنی صحیح حالت کا
احساس ہوا۔ ان میں کچھ بیداری پیدا ہوئی اور انھوں نے حکومت

برطانیہ سے یہ مطالبہ کرنا شروع کیا کہ عراق کو عراقیوں کے حوالے کر دیا جائے اور برطانیہ اگر چاہتی ہے تو اپنا اثر حکومت عراق پر رکھ سکتی ہے اس مطالبہ کی آواز جب لندن پہونچی تو حکومت برطانیہ نے اپنے ہائی کمشنر کو لکھا کہ عراقیوں کے ذمہ دار وفد سے گفتگو کرو اور ان کے کم سے کم مطالبات دریافت کرو۔ ہائی کمشنر نے اس حکم کے مطابق عراق کے ذمہ دار افراد کے ایک وفد کو باریاب ہونیکا موقع ضرور دیا لیکن حرکت یہ کی کہ اس وفد میں کچھ اپنے آدمی بھی شامل کر دئیے۔ اور جب یہ وفد عراق میں حکومت خود اختیاری کا مطالبہ لیکر ہائی کمشنر کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہائی کمشنر نے نہایت صفائی کے ساتھ وفد کو یہ جواب دیدیا کہ حکومت خود اختیاری یا ذمہ دار حکومت عراق کیلئے بہت دور کی منزل ہے جس تک پہونچنے کیلئے عراق کو ابھی بہت سا راستہ طے کرنا باقی ہے۔

ہائی کمشنر کے اس کورے جواب کے بعد عراق میں برطانیہ کیخلاف باقاعدہ ایجی ٹیشن شروع ہو گیا۔ بلکہ عراق کے بعض علاقوں میں کھلم کھلا بغاوت ہو گئی۔ حکومت برطانیہ نے اس شورش کو دبانے کیلئے امدادی فوج عراق بھیجی جس نے شورش پسندوں کے گاؤں کے گاؤں تباہ کر دئیے اور ہزاروں آدمیوں کو اس جرم میں جیلوں میں ٹھونس دیا۔ بظاہر شورش ختم ہو گئی لیکن عراق کی حکومت کا مسئلہ اب بھی وہیں کا وہیں رہا۔ عراق کے باشندے اس کیلئے کسی طرح تیار نہیں تھے کہ برطانیہ ان پر حکومت کرے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ ہم نے ترکوں کے خلاف

اس لئے جنگ نہیں کی تھی کہ ہم ترکوں کی غلامی سے نکل کر برطانیہ کی غلامی میں آجائیں بلکہ ہم نے آزادی کی خاطر جنگ کی تھی اور برطانیہ کا ہم سے وعدہ بھی یہی تھا کہ ہماری آزادی تسلیم کرلی جائیگی۔ اب جب جنگ ختم ہو چکی ہے برطانیہ کو چاہئے کہ ہماری آزادی تسلیم کرلے۔

فیصل جس وقت لندن پہونچا ہے، عراق کا یہ قضیہ حکومت برطانیہ کے آگے پیش تھا۔ اور اس وقت تک حکومت برطانیہ نے یہ طے نہیں کیا تھا کہ عراق کا طرز حکومت کس انداز کا تجویز کیا جائے۔

اس اذیت پر بغاوت عرب کا بانی اور فیصل کا پرانا دوست کرنل لارنس جو جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد اپنی خوشی سے گوشۂ گمنامی میں چلا گیا تھا ایک دفعہ پھر اسٹیج پر نمودار ہوا تاکہ اس آڑے وقت میں اپنے دوست کے کام آسکے۔ لارنس نے اس موقع پر اخباروں میں متعدد مضامین لکھے اور فیصل کے حقوق ثابت کرنے میں اپنا پورا زور صرف کردیا۔ فیصل کی حمایت میں اس مسلسل پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوا کہ برطانوی عوام کو فیصل کے معاملہ سے ہمدردی پیدا ہوگئی۔ اور لندن کی فضا میں ابتداءً جو سرد مہری پائی جاتی تھی وہ جاتی رہی۔ اس حد تک کامیابی کے بعد لارنس نے فیصل کے معاملہ کو سلجھانے کی ایک اور تجویز سوچی۔ اس نے کچھ دنوں کے توقف کے بعد لندن کے مشہور اخبار "دی ٹائمس" میں عراق کی سیاسی کشمکش پر ایک زبردست مقالہ

لکھا جس میں برطانیہ کی پالیسی پر نہایت سختی سے اعتراضات کئے اور یہ
ثابت کیا کہ حکومت برطانیہ لاکھوں پونڈ ہفتہ وار بے وجہ عراق پر خرچ
کر رہی ہے۔ جس سے سلطنت برطانیہ کو فائدہ کے بجائے نقصان
پہونچ رہا ہے۔ اور سیاسی کش مکش علیحدہ برطانیہ کے گلے کا ہار بنی
ہوئی ہے۔ جسے کسی طرح برطانوی ہائی کمشنر نہیں سلجھا سکتا۔ اس کے
بعد اس نے ایک ایک کر کے ان مشکلات کو برطانوی پبلک کے آگے پیش
کرنا شروع کر دیا جو عراق میں برطانوی حکومت قائم رکھنے کی صورت میں
پیش آنی لازمی تھیں۔ اور یہ مشکلات ایسی تھیں جنھیں حکومت برطانیہ
لاکھوں پونڈ صرف کر کے بھی ادا نہ کر سکتی تھی۔

لارنس کی یہ تدبیر کارگر ہوگئی۔ برطانوی پبلک میں ہر طرف عراق کے
نقصان دہ مصارف کا چرچا ہونے لگا۔ اور پارلیمنٹ میں بھی کئی مرتبہ
عراق میں حکومت کی پالیسی کو چیلنج کیا گیا۔ اس قدر زمین ہموار کرنے کے
بعد لارنس نے پھر فیصل کے معاملہ کو اٹھایا۔ "ٹائمس" میں اس موضوع
پر اس نے ایک زبردست مقالہ شائع کرایا جس میں وہ لکھتا
ہے:—

"انگلستان میں عام طور پر یہ احساس پایا جاتا ہے کہ فرانس نے
فیصل کو جو شام سے بیدخل کر دیا جہاں اسے احسان مند شامیوں نے
تخت نشین کیا تھا یہ فیصل کے اس احسان کا جو جنگ عظیم میں اس نے
ہم پر کئے تھے اچھا بدل نہیں ہو سکتا۔ فی الحقیقت یہ خیال ہی ہمارے

لئے سوہان روح ہے کہ ہم احسان کا بدلا اتارنے میں اپنے ایک عرب
دوست سے پیچھے رہ گئے۔
حجاز کی بغاوت کو کامیاب بنانے کا سہرا اور اصل فیصل ہی کے سر ہے
جس نے اپنی جرأت اور اپنے سیاسی تدبر سے کام لیکر شام اور
فلسطین میں ہمیں نہایت قیمتی مدد پہونچائی۔ فیصل نے جو عرب
فوج ہماری مدد کو فراہم کی تھی اس کا کارنامہ اختصار کے ساتھ
اس طرح بیان ہوسکتا ہے کہ اس نے شام کی جنگ میں تقریباً
۳۵ ہزار ترکوں کو گرفتار کرلیا۔ اور تقریباً اتنے ہی ترکوں کو ہلاک
یا زخمی کیا۔ ڈیڑھ سو کے قریب ترکی توپیں چھینیں۔ اور ترکوں کے
مقبوضہ تقریباً ایک لاکھ مربع میل علاقے پر قبضہ کرلیا۔
ہمارے آڑے وقت میں عربوں نے یہ ایسی مدد ہمیں دی ہے کہ
ہم اسے نظر انداز نہیں کرسکتے۔ بلکہ ہم عربوں کے مقروض ہیں اور
ہمارا فرض ہے کہ ہم انھیں اس کا صلا دیں اور فیصل جو عربوں کا
لیڈر رہے وہ دوہرے اعزاز و اکرام کا مستحق ہے کہ اس نے نہایت
وفاداری اور نہایت سرگرمی کے ساتھ الینبی کی ماتحتی میں ہماری
مدد کی ہے۔
ہمیں یہ شکایت نہیں ہے کہ فرانس نے فیصل کے ساتھ کیا سلوک
کیا اس لئے کہ فرانس کو برطانیہ کے مقابلہ میں عرب میں صرف
ایک ٹکڑا ملا ہے۔ علاوہ اس کے فرانس نے جو کچھ فیصل کے ساتھ

شام میں کیا وہی ہم عراق میں کر رہے ہیں۔ اس اعتبار سے
ہمیں کیا حق ہے کہ ہم فرانس پر کوئی اعتراض کر سکیں۔
البتہ عراق کی طرزِ حکومت کا معاملہ اس وقت ہمارے زیرِ غور ہے
اس میں شک نہیں کہ وہاں حکومت کرنے کے لئے ہمیں ایسے انگریز
افسر مل جائیں گے جو عربوں سے زیادہ اچھی طرح انتظام کر سکیں گے
لیکن یہ ہماری غلطی ہوگی، ایسی ہی غلطی جیسی کہ اس وقت عراق میں
ہم سے سرزد ہو رہی ہے جس کے باعث ہر ہفتے ایک لاکھ پونڈ
ہم پر جرمانہ ہو رہا ہے۔ ہم اس وقت ہر حیثیت سے قوی ہیں
ہمیں چاہیئے کہ ہم کھلے دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیں اور
عراق میں نئے خاندان کی بادشاہت قائم کر کے اس غلطی کا کفارہ
ادا کریں جو اب تک ہم سے ہوتی رہی ہے اور اس طرح تاریخ کا
ایک نیا ورق اُلٹ دیں۔"

لارنس کے اس مقالہ نے فیصل کے مسئلہ کو دارالعوام میں ایک
قطعی صورت میں پیش کر دیا۔ اور چونکہ اس میں کافی وزن بھی تھا اس
لئے حکومت برطانیہ نے اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی حامی بھر لی۔
۱۹۲۱ء میں برطانوی کابینہ میں تبدیلی ہوئی، ونسٹن چرچل وزیر
نوآبادیات مقرر ہوئے۔ کرنل لارنس اگرچہ عملی سیاست سے کنارہ کش
ہو چکا تھا لیکن چرچل نے بہ اصرار اُسے اپنے شعبہ میں بحیثیت مشیر کھینچ لیا

لارنس کے محکمہ نوآبادیات میں پہونچنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد عراق کا معاملہ سلجھ گیا۔ اور حکومتِ برطانیہ نے فیصل کو عراق کا بادشاہ تسلیم کرلیا۔

اس طرح شام کا تخت چھن جانے کے بعد فیصل کو عراق کا تخت مل گیا اور اس معاملہ میں بھی اسی شخص نے فیصل کی مدد کی جس نے ترکوں کے خلاف عربوں کی کامیاب بغاوت میں فیصل کو مدد دی تھی۔

عراق کا تخت فیصل کو پیش کرکے گویا انگریز فیصل کے قرض سے ادا ہوگئے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ مع سود کے ادا ہوگئے۔ اس لئے کہ شام کے ساتھ تو محض مذہبی روایات وابستہ تھیں لیکن عراق کو تمدنی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے شام ہی پر نہیں سارے حجاز پر فوقیت حاصل تھی۔

اس سرزمین کیلئے نہ صرف اس کا پُرعظمت ماضی ہی سرمایہ امتیاز ہے بلکہ مستقبل میں بھی ایک آزاد عرب سلطنت کے قیام کی توقعات اگر پوری ہوسکتی ہیں تو محل وقوع کے اعتبار سے اسی سرزمین سے پوری ہوسکتی ہیں۔

صدیوں اس سرزمین پر عباسیوں نے حکومت کی اور عباسیوں کے بعد اس پر ہاشمیوں کو اقتدار ملا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عباسیوں کا جانشین ہاشمیوں کے سوا اور کون ہوسکتا ہے؟

حکومت برطانیہ نے جب یہ طے کر لیا کہ عراق کا تخت فیصل کو پیش کر دیا جائے تو اتمام حجت کیلئے یہی تجویز اس نے عراقیوں کے آگے رکھدی۔ ۱۹۲۱ء میں برطانیہ کے وزیر نوآبادیات ونسٹن چرچل دورے پر مصر پہونچے۔ وہیں عراقیوں کا ذمہ دار وفد ان سے ملا۔ اور اس نے برطانیہ کی پیش کردہ تجویز اس شرط کے ساتھ منظور کر لی کہ اگر ملک کی اکثریت فیصل کے حق میں ہوئی تو فیصل کو عراق کا بادشاہ تسلیم کر لیا جائیگا۔

وفد کی منظوری کے بعد حکومت برطانیہ کی طرف سے فیصل کو باقاعدہ عراق کا تخت پیش کیا گیا۔ اس شرط کے ماتحت کہ عراق پر بدستور برطانوی انتداب قائم رہے گا۔ لیکن فیصل نے اس شرط کو منظور نہیں کیا بلکہ اپنی طرف سے دو شرطیں حکومت برطانیہ کے آگے پیش کر دیں ایک یہ کہ عراق کی حکومت خود مختار ہوگی۔ دوسری یہ کہ انگریزوں نے جو قوانین رائج کر رکھے ہیں وہ یک قلم منسوخ کر دیئے جائیں گے۔ بڑی ردّ و قدح کے بعد برطانیہ نے فیصل کی دونوں شرطیں بطور بنائے بحث تسلیم کر لیں اور فیصل جو اس وقت اٹلی میں تھے بغداد آگئے۔

۱۱۔ جون ۱۹۲۱ء کو ملک کے ذمہ دار افراد کی ایک مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ اور اس مجلس نے فیصل کو ۹۶ فیصدی آرا کی حمایت سے اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔

کی رسم تاج پوشی ادا ہوئی۔ اور جلالت الملک شاہ فیصل نے نہایت تزک و احتشام سے سلاطینِ عباسیہ کے تخت پر جلوس فرمایا۔ اس موقع پر برطانوی ہائی کمشنر نے شاہ جارج پنجم کا تار امیر فیصل کی خدمت میں پیش کیا۔ جس میں شاہ جارج نے جلالت الملک کی تخت نشینی کی مبارکباد دی تھی۔

سلطنت عراق، قدیم ترکی سلطنت کے تین صوبوں بغداد، بصرہ اور موصل پر مشتمل ہے۔ ان میں موصل کے صوبہ کو اس کے تیل کے چشموں کے باعث بڑی اہمیت حاصل ہے۔ برطانیہ بھی اسی صوبہ کے باعث عراق سے تعلق رکھنے پر مُصر رہا۔ اور ترکوں کو بھی ان تینوں صوبوں میں موصل ہی سے ہمیشہ دلچسپی رہی۔

کل آبادی عراق کی ۲۸ لاکھ ۴۹ ہزار ہے۔ اس میں سنّی مسلمان ۱۱ لاکھ اور شیعہ ۱۴ لاکھ ہیں۔ ان کے علاوہ تقریباً ۸۷ ہزار یہودی اور ۸۷ ہزار عیسائی آباد ہیں۔ عیسائیوں میں ایک فرقہ "آشوریوں" کا بھی تھا جو جنگ عظیم کے دوران میں عراق کی سرحد کے اندر آبسا تھا اس فرقہ نے حکومت عراق کو بہت دنوں دق کیا۔ اور ملک کے نظم و نسق میں بڑے رخنے ڈالے لیکن بالآخر حکومت عراق اس فتنے کی استیصال میں کامیاب ہوئی اور اب عراق میں آشوریوں کی تعداد برائے نام ہے۔ عراق کے سنّی اور شیعوں میں تعلقات روادارانہ ہیں اگرچہ بعض

اوقات عقائد کا اختلاف فساد کی صورت بھی اختیار کر جاتا ہے۔
شیعوں اور سُنیوں کے علاوہ عراق میں دو سیاسی پارٹیاں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک پارٹی وحدتِ عربیہ کی حمایت میں ہے۔ اور دوسری اس کے خلاف ہے۔ سیاسی اقتدار کیلئے ان دونوں پارٹیوں کی کش مکش عراق کی سیاست کو ہمیشہ مدّ وجزر میں رکھتی ہے۔

امیر فیصل نے اپنی باقاعدہ تاج پوشی کے بعد حکومت برطانیہ سے اپنی ان شرائط کی تکمیل کا مطالبہ کیا جن پر تاجپوشی کے وقت حکومت برطانیہ نے غور کرنیکا وعدہ کر لیا تھا۔ اس سلسلہ میں حکومتِ عراق اور حکومتِ برطانیہ کے درمیان بڑی طویل گفتگو رہی اور بالآخر ۱۹۲۳ء میں عراق اور برطانیہ میں یہ معاہدہ ہو گیا کہ :-

"عراق جیسے ہی مجلس اقوام کا ممبر منتخب ہو جائیگا برطانوی انتداب عراق پر سے اٹھا لیا جائیگا۔ لیکن ہر صورت میں یہ مدت ۱۹۲۸ء سے زیادہ طویل نہ ہوگی"

اس معاہدے کے بعد گویا عراق کی خود مختاری کی ایک مدت معیّن ہو گئی۔ اب عراق کیلئے اس مدت میں یہ ثابت کرنا رہ گیا کہ وہ خود مختار حکومت کا اہل اور مجلس اقوام میں نشست حاصل کرنیکا مستحق بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ امیر فیصل نے اس معاہدہ کے فوراً ہی بعد عراق کی رائے عامہ کی تربیت بھی شروع کر دی اور ملک کے نظم ونسق میں

اصلاح کی طرف بھی توجہ کی۔

شروع ۱۹۲۴ء میں عراق کو ایک نیا دستور عطا ہوا۔ جس کی رُو سے ملک میں ایک اسمبلی اور ایک سنٹ کے قیام کی منظوری دی گئی۔ اس دستور میں امیر فیصل اور اس کے جانشینوں کو ملک کا جائز بادشاہ تسلیم کیا گیا۔ اور سنٹ کے ممبروں کی نامزدگی شاہ عراق کی مرضی پر چھوڑی گئی۔ البتہ اسمبلی کے ممبروں کے انتخاب کا حق ملک کو دیدیا گیا۔ اگرچہ یہ بالکل ابتدائی اصلاحات تھیں لیکن اس نئے دستور کے نفاذ کے بعد عراق نے آئینی ترقی کی طرف بہرحال پہلا قدم اٹھا لیا۔

ہم پچھلے صفحات میں بتا چکے ہیں موصل سے ترکوں کو بھی تعلق تھا اور برطانیہ کو بھی دلچسپی تھی، چنانچہ جب کمال اتاترک کی ماتحتی میں ترکی جمہوریہ عالم وجود میں آئی تو اس نے لیگ اقوام سے مطالبہ کیا کہ موصل کا علاقہ ترکی جمہوریہ کے سپرد ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ موصل کو جنگ عظیم کے دوران میں انگریزوں نے فتح نہیں کیا ہے بلکہ حالتِ صلح میں ان کی فوجیں موصل پر قابض ہوئی ہیں جو اصولاً جائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ لیکن لیگ اقوام میں برطانوی اثر کافی تھا اس لئے ترکوں کا یہ مطالبہ پورا نہ ہو سکا۔ اور عراق کو کم سے کم ۲۵ برس کیلئے برطانیہ کی ضمانت میں دیکر موصل کو عراق کی سرحد میں شامل کر دیا گیا۔

لیگ اقوام کے اس تصفیہ کے بعد موصل پر سے ترکوں کا دعویٰ

اٹھ گیا اور اُسے براہِ راست برطانیہ سے تعلق ہوگیا۔ برطانیہ کو موصل سے زیادہ موصل کے تیل سے دلچسپی تھی اس لئے اس نے اس علاقے میں اپنے اقتدار کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا شروع کر دیا۔ جس کے باعث عراق کو برطانیہ سے شکایت پیدا ہوئی اور یہ شکایت بطور احتجاج برطانوی پارلیمنٹ تک پہونچی، عراقیوں نے برطانیہ کو اپنا وعدہ یاد دلایا کہ اس نے ۱۹۲۸ء تک عراق کو آزاد حکومت تسلیم کر لینے کا اقرار کیا ہے۔ لیکن موصل کے متعلق جو پالیسی حکومتِ برطانیہ نے اختیار کر رکھی ہے وہ اس وعدے کے خلاف ہے۔ اس کے جواب میں برطانیہ نے ایسا انداز اختیار کیا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابھی عراق سے اپنا انتداب اٹھالینے کے مسئلہ کو ٹالنا چاہتی ہے۔ اس پر عراق میں برطانیہ کے خلاف پھر ایک مرتبہ ایجی ٹیشن شروع ہوگیا۔ اور بہت جلد اس ایجی ٹیشن نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ سارے ملک میں برطانیہ کے خلاف بغاوت کا اندیشہ پیدا ہوگیا اور فیصل کی حکومت بے بس نظر آنے لگی۔

اس صورتِ حال سے بچنے کے لئے حکومتِ عراق اور حکومتِ برطانیہ کے درمیان ۱۹۲۷ء میں دوبارہ گفت وشنید ہوئی اور برطانیہ نے عراق کو آزاد سلطنت کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔ اور اس کے جواب میں عراق نے اس کا اقرار کر لیا کہ عراق اپنی خارجہ حکمت عملی میں برطانوی ہائی کمشنر کے "مشورے" کا پابند رہے گا۔

ابتداءً برطانیہ کو عراق سے فوراً اپنا انتداب اٹھا لینے میں دو وجوہ سے تامل تھا۔ ایک وجہ تو موصل کا تیل تھی اور یہی وجہ اہم بھی تھی ۔ اور دوسری "آشوریوں" کے توطن کا مسئلہ تھا۔ موصل کے تیل پر عراق اور برطانیہ میں باہم سمجھوتا ہو گیا۔ اور موصل کے تیل پر برطانیہ کو اقتدار مل گیا، رہا آشوریوں کا معاملہ سو ۱۹۲۷ء میں اور اس کے بعد بھی اس مسئلہ کی جو صورت قائم رہی اس کے پیشِ نظر برطانیہ کو اس کے متعلق چونکہ کوئی اندیشہ نظر نہ آیا اس لئے اس نے آشوریوں کے معاملہ کو عراق کی حکومت کے سپرد کر کے عراق کی آزادی کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا اور اس معاہدے کے چار برس بعد حسبِ وعدہ عراق کو مجلس اقوام کا ممبر بھی بنا دیا۔

۱۳۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو خود مختار عرب سلطنت کی حیثیت سے عراق کا مجلس اقوام میں باقاعدہ داخلہ ہوا۔ اور اس موقعے پر مجلس اقوام کے سکریٹری نے یہ اعلان کیا :۔

"آج ہماری مجلس میں ایک نئی آزاد حکومت داخل ہو رہی ہے۔ جس کے بعد ہماری مجلس کی خود مختار حکومتوں کی تعداد جواب تک ۵۲ تھی ۵۳ ہو گئی ہے"

عراق کی خود مختاری کے اعلان کے ساتھ ہی آشوریوں کی چھوٹی سی اقلیت کی حفاظت کا مسئلہ اٹھا اس لئے کہ عربوں اور آشوریوں

کے تعلقات ابتدا ہی سے ناگوار تھے۔ اور آشوریوں کو جو عراق کے باشندے
نہیں تھے یہ اندیشہ تھا کہ عربوں کی آزاد سلطنت میں ان کے سیاسی
اور سماجی حقوق محفوظ نہ رہ سکیں گے۔ چنانچہ مارشمیون جو ان کا قومی
لیڈر تھا وہ آشوریوں کے قومی مطالبات لیکر لیگ اقوام میں پہونچا کہ
آشوریوں کی قومی انفرادیت تسلیم کر لی جائے۔ عراق میں بسنے کیلئے
انھیں ایک علاقہ دیا جائے اور آشوریوں کا حاکم مارشمیون کو بنا دیا جو
ان کا مذہبی پیشوا بھی ہے۔

لیگ اقوام آشوریوں کے ان مطالبات کو تسلیم نہیں کر سکتی تھی
اس لئے کہ اوّل تو عراق ایک آزاد سلطنت تھی اور اس سلطنت کی مرضی
کے خلاف اس کی سرحدات کے اندر لیگ آشوریوں کو کوئی علاقہ دینے کی
مجاز نہیں تھی۔ دوسرے مارشمیون کو اصولاً آشوریوں کا حاکم نہیں
تسلیم کر سکتی تھی اس لئے کہ ایسا کرنے سے حکومت عراق کے اقتدار میں
فرق آتا تھا۔ چنانچہ لیگ نے مارشمیون کو ہدایت کی کہ بجائے لیگ اقوام
کے وہ خود حکومت عراق سے اس معاملہ میں گفتگو کرے۔ اور آپس میں
سمجھوتے کی کوئی صورت نکال لے۔

لیکن مارشمیون اور اس کے ساتھیوں نے یہ صحیح اور صاف راستہ
اختیار کرنے کے بجائے حکومتِ عراق کے خلاف بغاوت کر دی۔ حکومتِ
عراق نے فوجی قوت سے اس بغاوت کو دبایا۔ اور ہزاروں آشوریوں
کو بیدریغ تہ تیغ کر ڈالا۔

آشوری، دراصل قدیم سلطنت آشوریہ کے نام لیوا ہیں۔ جو صدیوں سے ترکی سرحد پر کردوں اور ارمنوں کے درمیان ہکیاری علاقہ کے پہاڑوں میں آباد چلے آتے تھے۔ ۱۹۱۶ء میں جنگِ عظیم کے دوران میں زار کی سلطنت نے انھیں ترکوں کے خلاف ابھارا روس کی باقاعدہ فوج میں تو انھیں بھرتی نہیں کیا لیکن رات کے وقت ترکوں کے گاؤں پر حملہ کرکے انھیں تباہ اور برباد کردینے کا کام ان کے سپرد کیا گیا۔ آشوریوں نے یہ کام بڑی خوبی سے انجام دیا۔ اور سارے علاقے میں ترکوں پر مسلسل شب خوں مار کر انھیں بدحواس کردیا۔ لیکن آشوریوں کی بدقسمتی سے ۱۹۱۷ء میں خود روس میں بغاوت ہوگئی اور آشوریوں کے ساتھ روسیوں کی ساری دلچسپیاں ختم ہوگئیں۔ اب آشوریوں کا پوزیشن بہت نازک تھا اپنی حرکتوں سے انھوں نے ترکوں کو اپنا دشمن بنا لیا تھا اور حمایتی ان کا کوئی آس پاس رہا نہ تھا اس لیے آشوری فوراً ترکی علاقہ سے عراق کی طرف انگریزوں کی پناہ میں آگئے۔ انگریزوں نے ان آشوری پناہ گزینوں کیلئے "باقوبہ" میں ایک کیمپ قائم کردیا۔ جہاں یہ دو برس تک برطانیہ کے "مہمان" رہے۔ اس دو برس کے عرصے میں حکومتِ برطانیہ نے یہ طے کرلیا کہ آشوریوں کے فوجی دستے بنائے جائیں تاکہ عراق سے برطانوی فوجوں کی روانگی کے بعد یہ ان کی قائم مقامی کرسکیں۔ اس طرح آشوری برطانوی فوج میں بھرتی ہوئے اور اکثر

موقعوں پر بڑے اچھے سپاہی ثابت ہوئے۔ لیکن برطانوی فوج میں بھرتی ہونے کے بعد ہی در اصل ان کا دماغ تو ازن بگڑ گیا اور وہ اپنے آپ کو بھی برطانیہ کے ساتھ عراق کا فاتح سمجھنے لگے۔ اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اور عربوں کے تعلقات بگڑ گئے۔ اور رواداری کا احساس طرفین سے جاتا رہا۔

۱۹۲۷ء میں حکومت برطانیہ نے عراق کی خود مختاری کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔ اور ۱۹۳۲ء میں اپنا انتداب عراق سے اٹھا لینے کا وعدہ کر لیا، تو آشوریوں کو اپنے متعلق فکر پیدا ہوئی۔ لیکن چار سال کا زمانہ چونکہ کافی طویل تھا۔ اس لئے آشوریوں نے برطانیہ کے اس اعلان کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ البتہ ۱۹۳۲ء کے شروع میں جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ اسی سال کے اکتوبر تک عراق پر سے برطانوی اقتدار اٹھ جائیگا اور عراق خود مختار ہو جائیگا تو انھیں تشویش پیدا ہوئی۔ ان کا لیڈر مارشمعون، لیگ اقوام میں جنیوا پہونچا اور جب وہاں بھی اس کی شنوائی نہیں ہوئی تو وہ بغداد واپس آگیا اور یہاں آن کر اس نے آشوریوں کے فوجی دستوں کو بطور احتجاج برطانوی فوج سے بے تعلق ہو جانے پر آمادہ کر دیا۔ برطانیہ پر یہ دھمکی کارگر ہو گئی۔ اور اس نے اپنی وساطت سے مارشمعون اور حکومت عراق کے درمیان آشوریوں کی آبادی کے مسئلے پر گفت وشنید شروع کرا دی۔

آشوریوں کی آبادی کا مسئلہ تھا بہت پیچیدہ۔ جس علاقے میں یہ
جنگ عظیم سے پہلے رہا کرتے تھے وہ جمہوریہ ترکیہ کے ماتحت تھا۔ اور
جنگ عظیم میں ترکوں کے ساتھ آشوریوں نے جو حرکت کی تھی اس کے
بعد ترک اس کے روادار نہیں تھے کہ یہ لوگ پھر اس کی سرحد میں آ
بسیں۔ ایران کو آشوریوں سے کوئی ہمدردی نہیں تھی جو اپنے
علاقے میں انھیں پناہ دیتا۔ آجا کر عراق رہ گیا تھا، جہاں آشوریوں
کو پناہ مل سکتی تھی۔ لیکن عراق ان کیلئے کوئی علاقہ مخصوص کرنیکو تیار
نہیں تھا۔ چنانچہ طویل گفت و شنید کے بعد حکومت عراق نے فیصلہ
کیا کہ عراق کے سرحدی علاقوں میں جہاں جہاں آشوریوں کو جگہ ملے
پھیل جائیں۔ یہ علاقے چونکہ کردوں کی آبادی سے گھرے ہوئے
تھے اس لئے حکومت عراق نے آشوریوں کو اپنے ساتھ ہتیار رکھنے
کی بھی اجازت دیدی۔

حکومت عراق کے اس فیصلے کو حکومت برطانیہ نے بھی تسلیم کر
لیا۔ اور سوڈان سے ایک انگریز افسر عراق بلا لیا کہ وہ آکر اپنی نگرانی
میں آشوریوں کو سرحدی گاؤں میں آباد کردے۔ لیکن مار شیمون
اور اس کے ساتھی حکومت عراق کے اس فیصلے سے مطمئن نہیں ہوئے
اور چپکے چپکے حکومت عراق کے خلاف بغاوت کی تیاریاں کرنے لگے۔
آشوریوں کو اصل میں اپنی فوجی قوت کا زعم تھا۔ اسی سال ان کے

ہوئے تھے ان کے دماغوں میں یہ ہوا تھی کہ عرب ان کی منظم جماعت کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اور خود عربوں کو بھی یہ اندیشہ تھا کہ لڑائی میں آشوریوں کے سامنے ان کی پیش نہ جائیگی۔ ان مسلسل غلط فہمیوں کے باعث آشوری دب کر حکومت عراق سے سمجھوتہ کرنیکو تیار نہ ہوئے۔

جولائی ۱۹۳۳ء میں آشوریوں کی ایک جماعت جس میں ۱۹۰۰ آشوری مرد شامل تھے، عراق کی سرحد عبور کرکے شام میں داخل ہوگئی اس خیال کے ماتحت کہ شاید حکومت فرانس ان کو وہاں بس جانیکی اجازت دیدے۔ لیکن حکومتِ فرانس بجائے اس کے کہ انھیں اپنے علاقے میں بسنے کی اجازت دیتی ان کی اپنی سرحد پر موجودگی ہی سے بدحواس ہوگئی۔ اور حکومت عراق کو لکھا کہ ان ہتیاربند آشوریوں کو فوراً عراق میں واپس طلب کرلے۔ عراق نے حقوق ہمسائگی کا خیال کرتے ہوئے مزید آشوریوں کو شام جانے سے روک دیا اور شام کی حکومت کو لکھا کہ جو آشوری اس کے علاقے میں آگئے ہیں اُن سے ہتیار لیکر انھیں عراق واپس کردے۔ لیکن حکومتِ فرانس نے نہ معلوم کس وجہ سے آشوریوں کے ہتیار نہیں لئے بلکہ انھیں ہتیار سمیت عراق کے علاقے میں واپس کردیا۔ فرانس کی اس فروگذاشت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آشوریوں کے ۱۹۰۰ ہتیاربند جوان جب شام سے مایوس ہوکر

چوکی پر حملہ کر دیا۔ اور وہاں کے عراقی گارڈ کا خاتمہ کر کے خود چوکی کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ ڈالا۔

اس زمانہ میں عراق کی شمالی فوجوں کی کمان بکر صدیقی پاشا کے پاس تھی جو آشوریوں کی دشمنی میں بہت بدنام تھا۔ اس پاشا کو جب آشوریوں کی اس حرکت کا علم ہوا تو ...... بغداد کو اطلاع کئے بغیر اپنی فوجیں لیکر فیش خبیر پر چڑھ گیا۔ اور اس کے بعد آشوریوں کا جو حشر ہوا وہ وہی تھا جو ترکی کے مشہور جنرل قرہ بکر پاشا نے ارمنوں کا کیا تھا۔

تین دن تک پہاڑوں میں آشوریوں اور بکر صدقی پاشا کی فوج میں لڑائی ہوتی رہی اور تین دن بعد وہ سارا علاقہ آشوریوں سے صاف تھا۔

اس لڑائی کے دوران میں موصل اور بغداد کے درمیان ہر قسم ذرائع رسل و رسائل بند تھے اور ٹیلیفون اور تار برقی کی لائنیں بھی کاٹ دی گئی تھیں۔ جس کے باعث پایہ تخت کو اس لڑائی کا تین دن تک بالکل علم نہ ہو سکا۔ اور علم ہوا بھی تو اس وقت جب ساری لڑائی ختم ہو چکی۔

امیر فیصل اس وقت یوروپ کی سیاحت میں مصروف تھے اور ان کے ولی عہد غازی بغداد میں ان کی نیابت کر رہے تھے۔

بعض واقعہ نگاروں نے آشوریوں کے قتل عام کا الزام
غازی پر لگایا ہے لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ غازی گو اسوقت
ولی عہد تھا لیکن حکومت کے نظم ونسق میں اس کو اس قدر دخل حاصل
نہیں تھا۔ واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آشوریوں سے لڑنے
کی ذمہ داری صرف بکر صدقی پاشا پر ہے اور یہی پاشا ان کے
استیصال کا موجب ہوا ہے۔

عربوں اور آشوریوں کی اس ٹکر سے طرفین کی غلط فہمیاں
دور ہو گئیں۔ اور آشوریوں کی آبادی کا مسئلہ جو اس دوران میں
اس قدر پیچیدہ ہو گیا تھا نہایت آسانی سے حل ہو گیا۔ اس لڑائی
میں جتنے آشوری بچ رہے تھے انھوں نے چپ چاپ اپنے ہتیار
حکومت عراق کے حوالے کر دیئے۔ اور جہاں انھیں جگہ ملی یا جو جگہ
ان کیلئے منتخب کی گئی بلا حیل وحجت یہ وہاں جا بسے۔
مغربی ممالک نے اس قتل عام کے خلاف بڑا شور مچایا۔ اور
حکومت عراق پر سختی سے سخت اعتراضات کیے۔ لیکن واقعات سے
چونکہ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ زیادتی ابتداءً آشوریوں کی طرف سے
ہوئی تھی اس لئے کچھ دنوں بعد یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔
آشوریوں کے استیصال کے ساتھ ہی عراق کی ساری الجھنیں
[illegible] ہو چکی تھیں اور شاہ فیصل اطمینان سے اپنا اصلاحی پروگرام ملک

ہیں نافذ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن افسوس کہ موت نے انہیں فرصت نہ دی۔
۲ ستمبر ۱۹۳۳ء کو جب وہ دوسری مرتبہ یورپ کی سیاحت کیلئے بغداد سے روانہ ہوئے تو پھر انھیں زندہ بغداد آنا نصیب نہ ہوا۔ سوئٹزرلینڈ کے ایک مقام 'برن' میں یکایک حرکت قلب بند ہو جانے سے ان کا انتقال ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

شاہ فیصل کے بعد شاہ غازی تخت نشین ہوئے۔ لیکن اس بادشاہ میں وہ جوہر نہیں تھا جو شاہ فیصل میں پایا جاتا تھا۔ ان کے زمانے میں بکر صدقی[1] پاشا نے فوجی قوت کے بل پر نومبر ۱۹۳۶ء میں حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اور ملک کا ڈکٹیٹر بن بیٹھا۔ شاہ غازی برائے نام عراق کے بادشاہ رہے۔ لیکن اس کا دورِ حکومت زیادہ دنوں قائم نہیں رہا۔ ایک ہی برس کے اندر اندر جولائی ۱۹۳۷ء میں ایک سپاہی کی گولی سے یہ ہلاک ہو گیا۔ اور عراق میں پھر دستوری طرز کی حکومت قائم ہو گئی۔

اپریل ۱۹۳۹ء میں خود شاہ غازی کو موٹر کا حادثہ پیش آیا اور یہ غریب بھی راہی ملک بقا ہو گیا۔ اس کی جگہ اب اس کا لڑکا فیصل دوم

---

[1] یہ وہی پاشا ہے جس نے اشوریوں کا استیصال کیا تھا۔

کے نام سے عراق کا بادشاہ ہے۔ اور چونکہ یہ ابھی کم سن ہے اس لئے
شاہ غازی مرحوم کے چچا علی جو فیصل دوم کے نانا بھی ہوتے ہیں ان کے
رجنٹ مقرر ہوئے۔

فیصل کے متعلق کرنل لارنس کی رائے تھی کہ "یہ بظاہر نہایت
زندہ دل مرنجان مرنج اور بے پروا قسم کا انسان نظر آتا ہے۔ لیکن
فی الحقیقت یہ بڑا زبردست "ڈپلومیٹ" اور مصلحت شناس مدبر
ہے جو سخت سے سخت آزمائش میں بھی اپنے حواس ٹھیک رکھتا ہے۔
جنگ عظیم کے دوران اور اس کے بعد ایک سے زیادہ موقعوں
پر اس کی سیاسی سوجھ بوجھ اور مصلحت اندیشی کا تجربہ ہوا۔ خصوصاً
پیرس کی صلح کانفرنس میں تو فیصل نے اپنی حاضر جوابی اور انتہائی مدبرانہ
انداز سے یورپ کے سیاست دانوں کو بدحواس کر دیا لیکن اسی
کے ساتھ فیصل نہایت بااصول اور ایماندار شخص ہے۔ اس نے
ایک مرتبہ اپنی پالیسی متعین کر لی اور تمام عمر اسی پر قائم رہا۔"
لارنس اگرچہ اسلامی دنیا میں ایک بدنام ترین شخصیت ہے
لیکن فیصل سے اس کی ذاتی دوستی تھی جس کو لارنس نے آخر وقت
تک نبایا۔ مدتوں یہ فیصل کے ساتھ رہا۔ شام میں عرب پیش قدمی
کے دوران میں اس کے ساتھ کام کیا۔ اور اسی لئے اوروں سے
زیادہ وقت اسے فیصل کے مطالعہ کا موقع مل گیا۔ اور چونکہ اس نے

فیصل کے متعلق یہ رائے اس وقت ظاہر کی ہے جب وہ عرب کے معاملات سے بے تعلق اور انگلستان کی عملی سیاست سے کنارہ کش ہو چکا تھا۔ اس لئے ہمارے نزدیک فیصل کے متعلق اس کی یہ رائے باوجود اس کی غیر ثقہ شخصیت کے ذاتی اثر اور سیاسی مصالح سے پاک، نہایت سچی اور ایماندارانہ ہے۔ جس کی تصدیق آج بھی فیصل کی سیرت اور اور اس کے کارناموں سے ہو سکتی ہے۔

پیرس کی صلح کانفرنس اور انگلستان کے سفر کے دوران میں فیصل کی "حاضر دماغی" اور حاضر جوابی کے بہت سے لطیفے مشہور ہیں۔ مثلاً فیصل جب صلح کانفرنس میں عربوں کے مطالبات پیش کرنے پیرس پہونچا تو دوسرے ہی دن "ہوٹل ڈی ویلے" میں اس نے فرانس کے بعض سیاست والوں کی دعوت کی۔ اس دعوت کے اختتام پر فرانس کے ایک مشہور سیاست دان "موسیو دوبو" نے فیصل کو خوش کرنے کیلئے مشرق قریب کے حالات پر ایک مبالغہ آمیز تقریر کی جس میں عربوں کے مطالبات کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ اور فیصل کے ذاتی کارناموں کو بہت کچھ سراہا۔ اس تقریر کے ختم ہونے کے بعد فرانس کے سفیر نے فیصل سے پوچھا کہ "تقریر کیسی رہی؟"

فیصل نے بڑی معصومیت سے جواب دیا:-

"آپ نے دیکھا موسیو دوبو کے دانت کتنے خوبصورت ہیں"

ایک اور موقع پر دس فرانسیسی سیاست دانوں کی کونسل میں عرب مطالبات زیر بحث تھے۔ فیصل نہایت خاموشی سے ایک کونے میں بیٹھا یہ بحث سنتا رہا۔ آخر میں ایک نہایت جوشیلے مدبّر موسیو پکاں نے ایک زبردست تقریر کی اور اپنی تقریر میں بار بار یہ جتایا کہ شام کے علاقہ سے جنگ صلیبیہ کے زمانہ سے فرانس کو تعلق ہے۔ اس لئے فرانس کسی قیمت پر اس علاقے سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔

جب موسیو پکاں کی تقریر ختم ہو گئی اور اسی کے ساتھ کونسل کا اجلاس بھی برخواست ہو گیا تو فیصل نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے موسیو پکاں سے نہایت نرم اور خلیق انداز میں سوال کیا :-

"معاف کیجئے تاریخ پر مجھے کچھ اچھا عبور نہیں ہے۔ کیا آپ ازراہ عنایت یہ بتا سکتے ہیں۔ صلیبی جنگوں میں فتح کس کی ہوئی تھی آپ کی یا ہماری ؟"

پیرس صلح کانفرنس کے خاتمے کے بعد جب امیر فیصل پیرس سے رخصت ہونے لگے تو پیرس کے ایک اخبار کا نمائندہ ان کی خدمت میں یہ معلوم کرنے کیلئے حاضر ہوا کہ مغربی سیاست دانوں کے متعلق امیر کا کیا خیال ہے۔ یہ سوال اس اعتبار سے بہت اہم تھا کہ یورپین سیاست دانوں سے گفتگو کرنے کا امیر فیصل کیلئے یہ پہلا اتفاق تھا۔ امیر فیصل نے

"مغرب کے سیاست داں بالکل عہد حاضر کی رنگین نقاشی کی طرح ہیں۔ انھیں گیلری میں ٹانگ کر دور سے ان کی زیارت کرنی چاہیئے۔"

پیرس سے جب فیصل لندن پہونچے تو حکومت برطانیہ نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اپنی حکومت کے مختلف شعبوں کا فیصل کو معائنہ کروایا اور ان کے اعزاز میں ڈنر اور لنچ کی کئی ضیافتیں کیں۔ ایک ایسی ہی ضیافت کے موقع پر لارڈ بالفور نے (جو فلسطین کو وطن یہود بنانے کے ذمہ دار ہیں) فیصل سے یہ معلوم کرنے کی خواہش کی کہ "حکومت برطانیہ کے متعلق امیر کا کیا خیال ہے۔"

فیصل نے فوراً جواب دیا:۔

"آپ کے اس سوال سے میرے دماغ میں صحرا کے ایک کارواں کی تصویر کھنچ گئی ـــــ اگر آپ دور سے کسی کارواں کو صحرا میں گذرتا ہوا دیکھیں تو آپ کو پیچھے سے یہ سارا کارواں صرف ایک اونٹ نظر آئیگا۔ لیکن جب آپ قریب آئیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ ایک اونٹ کی مہار دوسرے اونٹ کی دُم سے بندھی ہوئی ہوگی اور جب سو پچاس اونٹوں کے اس زنجیرے کو آپ طے کر کے کارواں کے سرے پر پہونچیں گے تو آپ کو پہلے اونٹ کی مہار ایک چھوٹے سے گدھے کی دُم سے بندھی ہوئی نظر آئیگی جو اونٹوں کے اس سارے کارواں کی صحرا میں رہنمائی کر رہا ہوگا۔"

لارڈ بالفور مدت تک حیران رہے کہ امیر فیصل نے کس کو گدھا بنایا لیکن کبھی ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ امیر کے اس جواب کا کیا مفہوم تھا۔ اور حکومت برطانیہ پر یہ کس طرح چسپاں ہوا۔

فیصل کا ایک اور لطیفہ انگلستان کے نامور شاعر کپلنگ کے ساتھ بھی مشہور ہے۔ فیصل جب دمشق سے نکالے جانے کے بعد لندن پہونچے تو اور لوگوں کے ساتھ "ڈیارڈ کپلنگ" بھی ان کی ملاقات کو آئے۔ سر رونلڈ اسٹورس بھی اس صحبت میں موجود تھے۔ ان کا بیان ہے کہ کپلنگ نے امیر سے پے در پے اونٹوں کے متعلق سوال کرنے شروع کر دیئے۔ ان کا اوسط قد، رنگ نسل قسمیں، حجاز میں ان کی اہمیت وغیرہ وغیرہ غرض اونٹوں سے متعلق جس قدر سوال ہو سکتے تھے کپلنگ نے ایک ایک کر کے امیر سے پوچھ ڈالے۔ ابتداءً تو فیصل اخلاقاً کپلنگ کے سوالوں کا جواب دیتے رہے لیکن جب یہ سلسلہ کسی طرح ختم ہونے ہی میں نہیں آیا تو فیصل نے کپلنگ کے سامنے ہی سر رونلڈ سے عربی میں پوچھا:۔

"کیا اس شخص نے مجھے اونٹوں کا سوداگر سمجھا ہے"!

فیصل نہایت صلح جو اور مرنجِ و مرنجان شخص تھے۔ عراق کی سرحدیں تین اسلامی ممالک سے ملتی ہیں۔ فیصل نے تخت نشین ہوتے ہی ان

تینوں ہمسایہ سلطنتوں سے دوستانہ معاہدے کر لئے۔

جنگ عظیم کے زمانہ میں فیصل نے ترکی سلطنت کے خلاف بغاوت کی تھی لیکن شاہ عراق کا ترکی جمہوریہ سے کوئی اختلاف نہ تھا چنانچہ تخت نشینی کے بعد ہی انھوں نے ترکوں سے اپنی صفائی کر لی دوسری سلطنت نجد و حجاز تھی۔ عبدالعزیز ابن سعود اور ان کے والد شریف حسین میں ایک مدت سے لڑائی چلی آتی تھی اور اسی لڑائی کا نتیجہ یہ تھا کہ ابن سعود نے موقع پاکر ابن سعود کو حجاز سے نکال باہر کیا۔ اور خود سلطانِ نجد و حجاز بن بیٹھا تھا۔ لیکن فیصل کو ابن سعود سے بھی کوئی پرخاش نہیں تھی۔

حجاز کا معاملہ جب یکسو ہو گیا اور ابن سعود باقاعدہ سلطان نجد و حجاز تسلیم کر لیا گیا۔ فیصل نے اس سے بھی صلح کر لی۔ ان دونوں امیروں کی یادگار ملاقات خلیج فارس میں ایک جہاز پر ہوئی تھی جس میں ایک دوسرے کو گلے لگا کر ان دونوں نے اپنے خاندانی اختلافات کو بھلا دیا۔ اور آئندہ کیلئے ایک دوسرے کے حلیف بن گئے۔

تیسری سلطنت عراق کے برابر ایران کی ہے۔ فیصل نے رضا شاہ سے بھی دوستی کر لی۔ اور خود طہران جاکر شاہ سے نیاز حاصل کیا۔

لیکن ان سب سے گہرا تعلق عراق کا برطانیہ کے ساتھ تھا اور فیصل نے ساری عمر اس تعلق کو پوری وضعداری کے ساتھ نباہ ڈالا اگرچہ اس دوران میں بہت سی باتیں عراق میں برطانیہ کی مرضی کے

خلاف ہوئیں۔ اور فیصل نے حکمتِ عملی سے دباؤ ڈال کر ایسی مراعات بھی اپنے حق کے طور پر برطانیہ سے حاصل کرلیں جنھیں برطانیہ عراق کو دینا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود فیصل نے اپنے سے برطانیہ کو کبھی شکایت نہ پیدا ہونے دی۔ بلکہ اس کے برخلاف حکومتِ برطانیہ آخر وقت تک فیصل کو اپنا سچّا دوست سمجھتی رہی اور لندن میں فیصل کی مدارات ہمیشہ ایک دوست کی طرح کرتی رہی۔ نومبر ۱۹۳۳ء میں جب بمقام برن حرکت قلب بند ہونے سے یکایک فیصل کا انتقال ہوا ہے انگلستان کے سارے اخبارات نے برطانیہ کے اس دوست کا سوگ منایا۔

اس کی یاد میں بڑے اچھے اچھے آرٹیکل لکھے اور اس پر افسوس ظاہر کیا کہ فیصل کے انتقال کے باعث عراق کی ترقی اور اصلاحات کا کام ادھورا رہ گیا۔ اور یہ واقعہ تھا۔ فیصل نے عراق کی اصلاح اور ترقی کا ایک طویل پروگرام مرتب کیا تھا۔ اگر وہ کچھ دنوں اور زندہ رہتے تو عراق بھی ترکی اور ایران کی طرح اصلاحاتِ جدید سے مالا مال ہوجاتا۔

امیر فیصل اور ان کے والد شریف حسین کی انگریز دوستی اور ان کے ان کارناموں کو جو انھوں نے جنگ عظیم کے دوران میں انجام دیئے غیر عرب اسلامی ممالک کسی اور نظر سے دیکھتے ہیں۔

ان کے نزدیک یہ ترکوں سے کھلی ہوئی غدّاری تھی کہ ایسے وقت میں جب ترک جنگ عظیم میں سب طرف سے گھرے ہوئے تھے —

شریف حسین اور ان کے لڑکوں نے دشمنوں سے ساز باز کرکے ان پر پیچھے سے وار کیا۔ اور ترکی کی قوتِ مدافعت کو مجروح کرکے اُسے دشمنوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔

غیر عرب اسلامی ممالک کا یہ نقطہ نظر ان حالات کے پیش نظر جن کے ماتحت شریفیوں نے ترکوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا ہے یقیناً غلط نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ اب یہ کھلا ہوا راز ہے کہ برطانیہ ہی کے روپے اور ہتھیاروں کی مدد سے عربوں نے ترکوں سے جنگ کی اور برطانیہ ہی کی شہ پر عربی فوجیں حجاز کی سرحد سے آگے بڑھکر شام کے ترکی پوزیشن کو کمزور کرنے کا باعث بنیں۔ اور یہ بھی اب کوئی چھپی ہوئی بات نہیں ہے کہ شریف حسین نے اپنی اس کارگذاری کے صلے میں برسوں برطانیہ سے بیس ہزار پونڈ ماہوار وظیفہ بھی لیا۔ ان شواہد کی موجودگی میں شریفیوں کے خلاف یقیناً الزام سخت ہو جاتا ہے۔ لیکن، اس کے باوجود انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ شریفیوں پر فردِ جرم لگانے سے پہلے ان کے اپنے نقطہ نظر کا بھی جائزہ لیا جائے۔ اور یہ جانچا جائے کہ اس میں شریفیوں کی صفائی کی کتنی گنجائش موجود ہے۔

عرب بغاوت کی تاریخ پوری تفصیلات کے ساتھ آج منظر عام پر آچکی ہے۔ جس کی روشنی میں عرب بغاوت کے اسباب اور

اس کی صحیح نوعیت کا تعین کرنا مشکل نہیں رہا۔ چنانچہ ان ہی تفصیلات کی مدد سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جنگ عظیم کے دوران میں شریفیوں نے ترکوں کیخلاف اس لئے بغاوت نہیں کی تھی کہ ترکوں کا جوا اپنے کندھوں سے اتار کر کسی اور قوم کا جوا اپنے کندھوں پر رکھ لیں۔ بلکہ اس بغاوت کا اصلی مقصد جو دوران بغاوت میں بھی ان کے دماغوں میں برابر قائم رہا اور جس کا وہ بار بار اظہار بھی کرتے رہے ہیں سرزمین عرب کی آزادی تھا۔

عرب مدت سے اس نعمت سے محروم تھے، اور مدت سے اپنے قلب کی گہرائیوں میں اس تمنا کو پرورش کرتے رہے تھے کہ دنیا کی آزاد قوموں کے درمیان ان کی بھی جگہ نکل سکے۔ جنگ عظیم میں برطانیہ نے اسی نعمت کا ان سے وعدہ بھی کیا تھا اور عرب صرف اسی شرط پر ان کے ساتھ ہوئے تھے کہ عربوں کی آزاد سلطنت کی تعمیر میں برطانیہ ان کی مدد کرے گی ــــــــــ آزادی کی تمنا کرنا اور اس کیلئے جاں فروشی پر آمادہ ہو جانا یقیناً کسی نقطۂ نظر سے معیوب نہیں کہا جا سکتا۔

آزادی بخشی نہیں جاتی بلکہ زور بازو سے حاصل کی جاتی ہے عربوں نے بھی اسے اپنے قوت بازو سے حاصل کیا۔ اپنی تلوار کے زور سے چھینا ــــــــــ یہ عربوں کی بدقسمتی ہے کہ اپنی

آزادی کیلئے انہیں ترکوں سے لڑنا پڑا جو اتفاق سے مسلمان بھی ہیں۔ اگر یہ اسلامی رشتہ ترکوں اور عربوں کے درمیان نہ ہوتا تو عربوں کی آزادی کی جدوجہد کے متعلق اسلامی ممالک کا یہ نقطۂ نظر بھی نہ ہوتا۔

لیکن اس کے باوجود عربوں کی بغاوت پر اصولاً اب بھی کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ عربوں اور ترکوں میں مذہب کے نام پر جنگ نہیں ہوئی اور نہ عربوں نے مذہب کو آگے رکھ کر ترکوں سے بغاوت کی بلکہ عربوں اور ترکوں میں محض سیاسی اقتدار کے لئے یہ جنگ ہوئی تھی جس کا عرب متعدد مرتبہ دوران جنگ میں اظہار کر چکے ہیں اگر ترک مسلمان ہونے کے باوجود دوسرے مسلمان عربوں کو سیاسی حیثیت سے اپنے زیر اقتدار رکھنے میں حق بجانب تھے تو عرب بھی جو ترکوں ہی کی طرح اپنی ایک قومی انفرادیت رکھتے ہیں موقع ملتے ہی ترکوں کے اس سیاسی اقتدار کے جوئے کو اپنے کندھوں سے اتار پھینکنے میں غیر حق بجانب نہیں ہو سکتے!

اعتراض البتہ برطانیہ کے ساتھ سودا کرنے پر ہو سکتا ہے۔ برطانوی روپیہ اور اسلحہ کی مدد اور برطانیہ کی فوجی طاقت کی رہنمائی میں عربوں کا اپنے مقصد اعلیٰ کے حصول کی جدوجہد کرنا سراسر اسلامی خودداری کے خلاف تھا۔

اسی طرح عربوں نے اپنی آزادی کیلئے جو وقت مقرر کیا تھا وہ بھی صحیح نہ تھا ـــــــــــــــــ حالتِ امن میں عرب اپنی قومی آزادی کا ہر وقت ترکوں سے مطالبہ کر سکتے تھے ۔ اور ان کے مطالبے میں اسلامی ممالک بھی یقیناً ان کے ہمنوا ہوتے لیکن ایسے وقت میں جبکہ ترک اپنے سے بڑی طاقت سے نبرد آزما تھی اور اس لڑائی پر ان کی زندگی اور موت کی بازی لگی ہوئی تھی عربوں نے ترکوں کے خلاف ہتیار اٹھا کر ترکوں کے دشمنوں کو تقویت دی۔ یورپ و ایشیا کی واحد اسلامی سلطنت کو نقصان پہونچایا اور خود بھی گھاٹے میں رہے ۔

آج عربوں کو برطانیہ سے یہ شکایت ہے کہ ۱۹۱۶ء میں اس نے شریف حسین سے جو معاہدہ کیا تھا وہ پورا نہیں کیا ۔

جس معاہدے کا عرب آج ذکر کر رہے ہیں اس کی نوعیت یہ تھی کہ فظ الامارا پر برطانیہ کو پہلے ہی حملے میں ترکوں نے شکست فاش دی تھی اور برطانوی کمانڈر کو گرفتار کر کے قسطنطنیہ بھیجدیا۔ برطانیہ اس شکست سے بدحواس تھی ۔ شریف حسین مول تول پر اڑے ہوئے تھے ۔ برطانیہ نے وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے شریف حسین سے گول مول سا وعدہ کرلیا ، مقصد یہ تھا کہ عرب کسی طرح بغاوت تو کریں ، ترکی پر پیچھے سے ضرب تو لگائیں ۔ لیکن کیا برطانیہ نے اپنے

اس وعدے کو حرف بحرف پورا کرنا بھی چاہئے تھی؟ اس کے متعلق عربوں کے دشمنوں کا نہیں بلکہ عرب بغاوت کے روح رواں، عربوں کے جگری دوست اور برطانیہ کے دستِ راست کرنل ٹامس ایڈورڈ لارنس کا بیان یہ ہے کہ:۔

عرب بغاوت جھوٹی توقعات کے ماتحت شروع ہوئی تھی۔ شریف حسین کی مدد حاصل کرنے کیلئے ہماری وزارت نے سرہنری میک ماہن (ہائی کمشنر مصر) کے واسطے سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ (اپنے حلیف فرانس کے مفاد کا لحاظ رکھتے ہوئے) شام اور عراق میں بھی عرب حکومت کے قیام کی حمایت کی جائیگی۔

لیکن قوسین کی شرط میک ماہن اور شریف حسین سے پوشیدہ رکھی جو فرانس، برطانیہ اور روس کے درمیان ایک خفیہ معاہدے کے ذریعے طے ہوئی تھی۔ اور جس کی رو سے ان علاقوں کے بعض حصوں پر ان حلیفوں کا قبضہ اور سارے علاقے پر ان کا اثر و اقتدار تسلیم کر لیا گیا تھا۔

اس چال بازی کی اطلاع عربوں کو ترکوں سے ملی۔ لیکن مشرق میں چونکہ شخصیتوں پر اعتماد زیادہ کیا جاتا ہے اس لئے عربوں نے مجھے اپنا مخلص دوست پا کر مجھ سے یہ خواہش کی کہ میں ان افواہوں کی تردید اور برطانوی وعدوں کی توثیق کروں۔

مجھ کو ... [illegible]

کا پہلے سے کوئی علم نہیں تھا جو دورانِ جنگ میں برطانوی دفتر
خارجہ کے بعض شعبوں نے کئے تھے۔ لیکن میں اس قدر
بیوقوف بھی نہیں تھا جو یہ نہ سمجھ سکتا کہ اگر اس جنگ
میں ہمیں کامیابی ہوئی تو عربوں سے جو ہم نے وعدے
کئے ہیں ان کی وقعت ایک ردی کے کاغذ سے زیادہ
نہ ہوگی۔

اگر میں عربوں کا ایماندار مشیر ہوتا تو میں انھیں میدانِ
جنگ سے اپنے گھروں کو واپس کر دیتا اور کبھی ایسے
بیکار اور مہمل وعدوں پر انھیں اپنی جانوں کو خطرے
میں نہ ڈالنے دیتا۔

لیکن صورت یہ آ پڑی تھی کہ صرف عربوں کا جذبہ
آزادی ہی مشرقی جنگ میں ہماری فتح کا ضامن
ہو سکتا تھا۔ اس لئے میں نے انھیں یقین دلایا کہ
برطانیہ نے جب کبھی کسی سے کوئی وعدہ کیا اسے
ہمیشہ اور حرف بحرف پورا کیا۔

لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس کے بعد میں نے اور عربوں
نے جو کارنامے اس جنگ میں کئے ان پر بجائے فخر
کرنے کے آج میں بے انتہا نادم اور سخت شرمندہ ہوں"

(Seven Pillars of Wisdom P.275, 276.)

کرنل لارنس کا یہ اعتراف اس قدر صاف اور صریح ہے کہ اس پر کسی تنقید کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس اعتراف کی روشنی میں شام وحجاز کی جنگ میں عربوں کی صحیح پوزیشن ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ جس کے بعد ہمیں یہ تصفیہ کرنے میں مطلق زحمت نہیں رہتی کہ آزادی کے نشہ میں سرشار مگر سادہ لوح عرب مغرب کی شاطرانہ سیاست کا شکار ہو گئے۔ خود بھی بیوقوف بنے اور ترکوں کی اسلامی سلطنت کو بھی نقصان پہونچایا۔

لیکن ہمارے خیال میں آج ہمیں اس تلخ حقیقت کو یاد رکھنے کی ضرورت نہیں، عربوں نے جنگ عظیم میں ترکوں کو جو نقصان پہونچایا تھا اسے ترکوں نے نہ صرف اپنے فطری تہور اور شجاعت کے بل پر پورا کر لیا بلکہ اپنی سرحدوں پر پہلے سے زیادہ طاقتور اور باوقار ترکی سلطنت قائم کر لی۔ اور عربوں کو اپنی حماقت سے جو نقصان پہونچا تھا اُسے کسی حد تک امیر فیصل نے اپنے ذاتی تدبر اور شخصی اثر سے عراق میں ایک "نیم آزاد سلطنت" قائم کر کے پورا کر دیا۔

عراق اور ترکی جمہوریہ میں آج صلح ہے۔ نہ صرف صلح ہے بلکہ ان دونوں ملکوں میں "حلیفانہ" معاہدہ ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ تاریخ نے ترکوں اور عربوں کے تعلقات کا ایک نیا ورق الٹا ہے جس میں قرینہ یہ ہے کہ

پچھلی تلخ نوائیوں کے اعادہ کی گنجائش نہ ہوگی۔

عرب اگرچہ آزاد اس وقت بھی نہیں کہے جا سکتے لیکن ترکوں کی حکومت سے یہ بہر حال آزاد ہو چکے ہیں اور اتفاق سے اس وقت انھیں ایسے مواقع بھی حاصل ہیں جن سے وہ فائدہ اٹھا کر اپنے قومی اعزاز و وقار کو بڑھا سکتے ہیں اگر عربوں نے صحیح معنی میں اپنی اصلاح اور ترقی کی کوشش کی تو ہمیں یقین ہے کہ خود ترک جو کبھی عربوں کے نزدیک ان کے سدِ راہ تھے اب اخلاقی حیثیت سے عربوں کی امداد کرنے میں تامل نہ کریں گے اور ایک ترک ہی نہیں بلکہ سارے عالم اسلام کی ہمدردیاں عربوں کے ساتھ ہونگی۔

سلطان عبدالعزیز ابن عبدالرحمٰن آل فیصل آل سعود

نجد کے ایک حکمراں، لیکن شکست خوردہ اور جلاوطن خاندان کا نام لیوا ــــــــــ فطرتاً شجیع اور زبردست قوتِ ارادی کا مالک سردارِ قبیلہ جس نے اپنی تنہا کوششوں اور خداداد صلاحیتوں کی مدد سے اپنے خاندان کو قعرِ مذلت سے نکالا، اپنے قدیم طاقتور خاندانی رقیب کو پامال کیا۔ اور نہ صرف اپنے جدِّ اعلیٰ کی سلطنت کو دشمنوں سے چھین لینے میں کامیاب ہوا بلکہ عملاً سارے نجد و حجاز اور اطراف و جوانب کا بادشاہ بن بیٹھا۔

ابن سعود کو عام طور پر ایک قسمت آزما انسان سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ صحیح بھی ہے ــــــــــ اس کی زندگی کے بکثرت واقعات ایسے ہیں جن میں اس کا عزم و ارادہ، عواقب و نتائج کے امکانات و احتمالات سے بے نیاز نظر آتا ہے۔ اور اس کے بیشتر کارنامے ایسے ہیں جن کی کوئی منطقی توجیہہ نہیں ہو سکتی۔

مختصر یہ کہ ناکامیوں اور کامیابیوں کے درمیان، اس کی ساری

زندگی جزر و مد کا ایک ناھموار سلسلہ نظر آتی ہے۔ جو پچھلے دس برس پہلے تک آشنائے سکون نہ تھی۔

لیکن یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس کی ذات میں چند ایسی خوبیاں اور بڑائیاں جمع ہیں جو سخت سے سخت آزمائشوں اور انتہا سے گذری ہوئی مایوسیوں میں بھی ختم نہ ہوئیں۔ ـــــــ شجاعت و شہامت اس کے خمیر میں گندھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ خود اعتمادی اور مستقل مزاجی اس کی جبلت محسوس ہوتی ہے۔ غیر متزلزل عزم اور بے پناہ قوتِ ارادی اس کی فطری خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔ اور در اصل یہی وہ بڑائیاں ہیں جن سے اس کی غیر معمولی شخصیت تعمیر ہوئی اور جو ایک ایک کر کے اپنے سارے دشمنوں پر فتح مند اور آج سارے عرب پر چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔

عبد العزیز نومبر ۱۸۸۰ء کی ایک صبح ریاض کے محل میں پیدا ہوئے ان کے والد عبد الرحمٰن اپنے خاندان کے تیسرے بیٹے تھے اس لئے اس وقت ریاض کی حکومت عبد الرحمٰن کے دو بڑے بھائیوں کی درمیان باعثِ نزاع بنی ہوئی تھی۔

محمد ابن سعود اعظم اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ تھے جنھوں نے وہابی عقیدے کے بانی محمد ابن عبد الوہاب کے ساتھ مل کر عرب وسطیٰ میں ایک بڑے علاقہ کو اپنا زیر نگین کیا اور ' ریاض ' کو اپنی سلطنت کا

پائتخت بنایا۔ اور ترکوں کے اقتدار سے آزادی کا اعلان کردیا ترکوں کو عرب میں سعودیوں کا بڑھتا ہوا اثر پسند نہ آیا خصوصاً وہابی عقائد کی تبلیغ و اشاعت سے انھیں مذہبی حیثیت سے سخت اختلاف ہوا۔ انھوں نے اس نئے فتنے کے استیصال کیلئے مصر سے ترکوں کی ایک زبردست تادیبی فوج بھیجی جس نے محمد ابن عبدالوہاب کو گرفتار کرکے قسطنطنیہ پہونچا دیا۔ اور ابن وہاب کے مددگار ابن سعود کی فوجوں کا قلع قمع کرڈالا۔

اس ضرب سے سعودی مدت تک نہ سنبھل سکے۔ اور ان کی ساری حکومت سمٹ کر ریاض اور اطراف کے چند دیہات تک محدود رہ گئی۔

۱۸۸۰ء میں جب عبدالعزیز پیدا ہوئے ہیں، اسی چھوٹی سی حکومت کے لئے عبدالعزیز کے چچا عبداللہ اور سعود کے درمیان معرکے پڑ رہے تھے۔

اسی زمانہ میں سعودیوں کے ہمسایہ قبائل "شمار" اپنے منچلے سردار محمد ابن رشید کی ماتحتی میں متحد ہو کر بڑے طاقتور ہوگئے تھے۔ انھوں نے اطراف و جوانب کا بڑا علاقہ فتح کرکے اپنی ایک حکومت بھی قائم کرلی تھی جس کا پایہ تخت "حائل" تھا۔

ابن رشید نے سعودیوں میں جب پھوٹ دیکھی تو ریاض پر چڑھ دوڑا۔ اور معمولی سے مقابلے کے بعد اس کو فتح کرلیا۔ لیکن اس فتح کے بعد عبدالرحمٰن سے اس نے کوئی تعرض نہیں کیا اس لیئے کہ عبدالرحمٰن،

بظاہر بیضر ر ، ریاض میں بہت با اثر شخصیت کے مالک اور وہابیوں کے امام تھے ۔ البتہ ریاض میں ابن رشید اپنی طرف سے شہر کے انتظام کیلئے ایک نائب مقرر کر گیا ۔

یہ عبدالعزیز کے ہوش کا زمانہ تھا ، ابتداءً تو کچھ دنوں عبدالعزیز نے جنھیں ان کے والد ابن سعود کہا کرتے تھے ریاض کے مدرسہ میں علوم دین کی ابتدائی کتابیں پڑھیں لیکن فی الحقیقت ان کی تعلیم و تربیت ان کے والد نے اپنے ہاتھ میں رکھی جو خود بھی بڑے سچے وہابی تھے اور ابن سعود کو بھی ایسا ہی اٹھانا چاہتے تھے ۔

عبدالرحمن اپنے خاندان کی پامالی سے بہت غمگین اور ملول رہا کرتے تھے ۔ اور آلِ رشید کی ماتحتی تو ان کیلئے سوہانِ روح تھی ۔ اکثر اوقات وہ عالمِ انقباض میں ابن سعود کو سعود اعظم کی فتوحات اور سلطنت کا حال سنایا کرتے ۔ اور یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش اتنی ہی بڑی سلطنت اس وقت بھی آلِ سعود قائم کر سکیں ۔

کچھ دنوں بعد آل رشید کی ماتحتی عبدالرحمن کیلئے ناقابلِ برداشت ہو گئی ۔ اور انھوں نے آل رشید کی حکومت کے خلاف بغاوت کر کے اس کے نائب کو گرفتار کر لیا ۔ اہل ریاض نے اس بغاوت میں عبدالرحمن کا پوری طرح ساتھ دیا ۔ ابن رشید کو جب عبدالرحمن کی بغاوت کا حال معلوم ہوا تو وہ فوراً اپنے قبیلے کے ساتھ ریاض پہونچا ۔ آٹھ دن تک عبدالرحمن اور ابن رشید میں مقابلہ ہوتا رہا لیکن آخر میں عبدالرحمن کو

شکست ہوئی۔ اس شکست کے بعد بھی عبدالرحمٰن اور آل رشید میں سمجھوتا ہوگیا۔ لیکن یہ سمجھوتا بھی زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکا۔ عبدالرحمٰن نے پھر آل رشید کے خلاف علم جہاد بلند کردیا۔ لیکن اس مرتبہ اہل ریاض نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور ابن رشید نے آسانی سے ریاض کا محاصرہ کرلیا۔ اب کے اس کا ارادہ تھا کہ عبدالرحمٰن اور ان کے سارے خاندان کو ٹھکانے لگا دے تاکہ روز روز کی شورشوں سے نجات مل جائے اس کا حال عبدالرحمٰن کو بھی معلوم ہوگیا وہ یہ سنتے ہی رات کی تاریکی میں اپنے اہل وعیال، ضروری سامان اور اپنے لڑکے ابن سعود کے ساتھ چھپ کر ریاض سے نکل بھاگے۔

آل رشید کے چنگل سے بچ نکلنے کے بعد عبدالرحمٰن مدتوں صحرا میں سرگرداں رہے، کوشش ان کی یہ تھی کہ کوئی بدوی قبیلہ ان کی مدد کو تیار ہوجائے۔ تو وہ اس کی مدد سے پھر ابن رشید سے مقابلہ کرکے ریاض پر قبضہ کرلیں لیکن اپنی کوششوں میں انھیں کامیابی نہ ہوئی۔ اس لئے مجبور اور سب طرف سے مایوس ہوکر "کویت" آگئے۔

"کویت" عراق اور حجاز کے درمیان ترکوں کے ماتحت ایک چھوٹی سی عرب ریاست تھی لیکن چونکہ خلیج فارس اس کا بندرگاہ ہے اس لئے تجارتی اعتبار سے یہ بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس زمانے میں محمد شیخ کویت تھا اس نے عبدالرحمٰن کو بڑے اعزاز سے لیا اور ان کا کچھ وظیفہ بھی مقرر کردیا لیکن کچھ دنوں بعد یہ وظیفہ بند ہوگیا۔ اس وقت

عبدالرحمن کو اس کا علم ہوا کہ یہ وظیفہ شیخ کویت کی معرفت عبدالرحمن کو ترک دیا کرتے تھے۔

اصل میں اس وقت ترکوں کو عرب وسطیٰ میں ابن رشید کی بڑھتی ہوئی طاقت ناگوار گذرنے لگی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ عبدالرحمن کو ابھار کر جو ابن رشید کا پرانا رقیب تھا ابن رشید کی طاقت توڑ دیں۔ لیکن ترکوں کو اس چال میں کامیابی نہیں ہوئی۔ عبدالرحمن ابن رشید سے بدلا ضرور لینا چاہتے تھے لیکن ترکوں سے وہ اس معاملہ میں مدد لینے کے روادار نہ تھے۔ اس لئے کہ عبدالرحمن کو خود ترکوں سے نفرت تھی۔ جب ترکوں کو اپنی اس چال میں ناکامی ہوئی تو وہ مدتوں شیخ کویت کی معرفت عبدالرحمن کو وظیفہ دیتے رہے اس توقع میں کہ شاید یہ کسی وقت راہِ راست پر آجائیں لیکن اس میں بھی انھیں کامیابی نہ ہوئی تو یہ وظیفہ انھوں نے بند کر دیا۔ عبدالرحمن پر جب اس وظیفہ کا حال کھلا تو وہ شیخ سے بہت ناراض ہوئے لیکن استقامت مستقلاً کویت ہی میں رکھی

یہ ابن سعود کے عنفوان شباب کا زمانہ تھا۔ کویت کا شہر، ریاض اور صحرا کی بدویانہ زندگی کے بعد نوجوان ابن سعود کو جنتِ ارضی معلوم ہوتا تھا لیکن اپنے والد کی سخت تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ یہاں کبھی لہو ولعب میں مبتلا نہ ہونے پائے اس کے برخلاف شیخ کویت اور اس کے بھائی مبارک کی صحبت میں ملکی سیاست کو سمجھنے اور اپنی حالت پر

غور کرنیکا مادہ ان میں پیدا ہو گیا۔

کچھ دنوں بعد کویت میں حالات بدل گئے شیخ محمد اپنے بھائی شیخ مبارک کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اور اس کی جگہ شیخ مبارک ہی کویت پر تخت نشین بھی ہوا۔ شیخ مبارک اور ابن سعود میں کافی دوستی تھی۔ ابن سعود کو اس کی تخت نشینی کے بعد یہ توقع ہو گئی کہ وہ آل رشید سے مقابلہ کرنے میں اس کی مدد کریگا۔

اسی دوران میں "شمّار" کا مشہور سردار محمد ابن رشید بھی انتقال کر گیا۔ اور اس کی بجائے عبدالعزیز ابن رشید سردار مقرر ہوا۔ لیکن عبدالعزیز میں قبائل کو متحد رکھنے کی وہ صلاحیت نہیں تھی جو محمد ابن رشید میں تھی۔ نجدیوں نے بہت جلد اس کمزوری کو بھانپ لیا۔ اور کویت میں عبدالرحمن کو لکھا کہ وہ فوراً نجد آکر آلِ رشید سے مقابلہ کی تیاریاں کریں نجدی ان کا ساتھ دینے کو تیار رہیں۔ اس اطلاع کے ملتے ہی ابن سعود مارا مار نجد پہونچا۔ لیکن وہاں جاکر معلوم ہوا کہ نجدیوں کے ساتھ دینے کی اطلاع غلط تھی۔ اسے آل رشید کے مقابلہ میں نجدیوں کو کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔ مایوس اور نا امید ہو کر ابن سعود پھر کویت واپس آ گیا۔ لیکن اب کے اس نے شیخ مبارک کو بڑی مشکل سے اس پر آمادہ کیا کہ وہ آل رشید کے مقابلے میں اس کی مدد کریگا۔

لیکن ابھی مبارک ابن سعود کو مدد دینے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ خود وہ ایک مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ شیخ مبارک نے اپنے بھائی

کو قتل کیا تھا اور خود بادشاہ ہو جانے کے بعد اس نے برطانیہ سے تعلقات بڑھا لئے تھے۔ ترکوں کو شیخ کویت کی یہ حرکت ناپسند تھی کہ وہ برطانیہ کو کویت میں قدم جمانے کا موقع دے۔ چنانچہ ترکوں نے شیخ کویت کو سزا دینے کیلئے عبدالعزیز ابن رشید کو مقرر کیا اور اسے یہ لالچ دیا کہ کویت اس کو دلا دیا جائیگا۔ اس کے علاوہ اسے یہ بھی شہ دی کہ شیخ کویت نے اس کے پرانے دشمن سعودیوں کو پناہ دے رکھی ہے عبدالعزیز اپنی فوج لئے کویت کی طرف بڑھا، شیخ مبارک بہت گھبرایا اس لئے کہ کویت میں کوئی فوج نہیں تھی جو ابن رشید سے مقابلہ کرتی اور وہاں کوئی قلعہ نہ تھا جس میں شیخ قلعہ بند ہو جاتا۔ لیکن ابن سعود نے شیخ کی ہمت بندھائی۔ اور اطراف و جوانب سے شیخ کویت کی حمایت میں کچھ فوج اکٹھی کر کے ابن رشید کے مقابلہ کو کویت سے آگے بڑھا۔ دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا اور ابن سعود کو پہلے ہی دن شکست فاش ہو گئی۔ شیخ کویت نے یہ حال دیکھکر فوراً انگریزوں سے معاہدہ کر لیا اور انکی حمایت میں چلا گیا۔

عبدالعزیز ابن رشید جب ابن سعود کی فوج کو شکست دیکر کویت کی طرف بڑھا تو انگریزوں نے اسے دھمکی دی کہ شیخ انکی پناہ میں ہے اگر وہ شیخ پر حملہ کریگا تو انگریز اس سے لڑیں گے۔ عبدالعزیز ابن رشید اس دھمکی کے بعد واپس ہو گیا اور کویت ترکوں کی قیادت سے نکل کر انگریزوں کے زیر اقتدار آگیا۔

عبدالعزیز ابن رشید کی مراجعت کے بعد ابن سعود نے پھر شیخ کویت سے امداد کی درخواست کی، شیخ تازہ حالات سے ڈرا ہوا تھا، فی الفور ابن سعود کو امداد دینے پر راضی نہ ہوا۔ لیکن جب ابن سعود نے بہت اصرار کیا تو شیخ نے اُسے تیس اونٹ، تیس بندوقیں اور دو سو پاؤنڈ سونے کے دیکر کویت سے رخصت کر دیا۔

ابن سعود تیس اونٹ لیکر اپنے والد اور اپنے خاندان سے رخصت ہوا۔ اور تیس نوجوان جن میں اکثر اسی کے خاندان کے افراد تھے اپنے ساتھ لیکر ریاض کی طرف روانہ ہو گیا۔

ابتداءً ابن سعود کو بڑی کامیابی ہوئی عجمان اور آل رشید کی دو چوکیوں کو پے در پے اس نے شکستیں دیں۔ جس سے بہت سا لوٹ کا مال اس کے ہاتھ لگا، لوٹ کا حال سن کر اطراف و جوانب کے بہت سے بدوی بھی اس سے آملے اور کچھ نوجوان ریاض سے اس کی مدد کو آگئے لیکن کچھ ہی دنوں بعد حالات پھر بدلے ابن سعود کو ہر طرف سے دشمن قبائل نے دبانا شروع کیا، مال غنیمت جو جمع تھا وہ خرچ ہو گیا، صحرا کے بدوی اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور اس کے ساتھ صرف وہ لوگ رہ گئے جو کویت سے اس کے ساتھ آئے تھے۔ یا دس نوجوان ریاض کے تھے اور کچھ حبشی غلام تھے۔

ابن سعود کی اس خستہ حالی کی خبر کویت پہونچی تو عبدالرحمٰن اور شیخ مبارک دونوں نے ابن سعود کے پاس قاصد بھیجے کہ وہ فوراً کویت

واپس آجائے ۔ نوجوان ابن سعود کو ناکام کو بیت جانا گوارا نہ ہوا۔ اس نے قاصد کے ذریعے یہ یادگار پیغام اپنے والد کو بھیجا۔

"میں اب اس کو زیادہ عرصے برداشت نہیں کرسکتا کہ ہمارے ملک پر ابن رشید قابض رہے اور ہمارا خاندان دربدر ٹھوکریں کھاتا پھرے ۔ میں اب ریاض پر اپنے سر کی بازی لگاؤنگا اور اس وقت تک واپس نہ آؤں گا جب تک فتح نہ حاصل کرلوں ۔

ناکامی سے بہرحال موت بہتر ہے"

ابن رشید کی باقاعدہ فوجوں کے مقابلہ میں چالیس جانبازوں کے مختصر سے گروہ کے ساتھ اس قدر زبردست عزم ابن سعود کی ایسی حیرت انگیز جسارت ہے جس کی نظیر فی الحقیقت کسی تاریخ میں نہیں مل سکتی لیکن اس عزم سے زیادہ یہ حقیقت حیرت انگیز ہے کہ ابن سعود اپنے عزم میں کامیاب بھی ہوا اور انہی چالیس جانبازوں کی مدد سے اس نے ریاض اپنے قدیم خاندانی دشمن سے چھین بھی لیا!

واقعہ یوں ہوا کہ اس عزم کے بعد کہ یا تو ریاض فتح کریگا یا اسی کوشش میں اپنی جان دیدیگا ابن سعود نے صحرا کے پیچدار راستے سے رات کی تنہائیوں میں اپنے چالیس جانبازوں کے ساتھ ریاض کا رخ کیا۔ دن کو یہ گروہ پہاڑیوں میں چھپا رہتا تاکہ صحرائی قبائل اسے نہ دیکھنے پائیں اور رات کی تاریکی میں یہ سفر کرتا۔ اس طرح منزلیں طے

کرتا ہوا ایک رات یہ گروہ ریاض کے نواح میں پہونچ گیا۔ یہاں ابن سعود نے اپنی سواری کے جانور چھوڑ دیئے۔ اور ان کی حفاظت غلاموں کے سپرد کردی اور انھیں یہ ھدایت کی کہ اگر چوبیس گھنٹے تک ابن سعود اور اس کے ساتھیوں کی انھیں کوئی اطلاع نہ ملے تو وہ کویت چلے جائیں اور عبدالرحمٰن کو اطلاع کر دیں کہ ابن سعود اور اس کے ساتھی ہلاک ہو گئے۔

اس ھدایت کے بعد جانبازوں کا یہ گروہ نہایت خاموشی سے شہرپناہ کی دیوار تک پہونچ گیا۔ پاس سے ایک کھجور کا درخت کاٹ کر اس کا زینہ بنایا اور اس زینے کی مدد سے پہلے ابن سعود اور اس کے بعد اس کے سارے ساتھی نہایت خاموشی سے شہر میں اتر گئے۔ آدھی رات ہو چکی تھی، سارا شہر غافل تھا۔ قلعہ کے دروازے پر البتہ سنتری پہرہ دے رہے تھے یا کہیں کہیں دور ایک آدھ سنتری گشت کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ ابن سعود اپنے ساتھیوں کے ھمراہ چھپتا چھپاتا گورنر کے محل تک پہونچ گیا جو قلعہ کے عین مقابل تھا۔ محل پر پہرا نہیں تھا۔ ابن سعود بڑی چالاکی سے پہلے گورنر کے برابر والے مکان میں داخل ہوا۔ اور پھر اس مکان کی چھت پر سے خود گورنر کے مکان میں پہونچا اس وقت صرف چھ آدمی اس کے ساتھ تھے اور باقی نیچے سڑک پر اس کے اشارے کے منتظر تھے۔ گورنر کی خواب گاہ میں ابن سعود کو گورنر کی بیوی اور بہن سوتی ہوئی ملیں جنھیں ابن سعود نے کوٹھری میں بند کر دیا۔ ابھی

دونوں نے ابن سعود کو بتایا کہ گورنر رات کو قلعے میں سوتا ہے۔ علی الصبح قلعہ کا دروازہ کھلتا ہے اور گورنر بہت سویرے قلعہ کے دروازہ سے گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کو جاتا ہے۔ ابن سعود نے اپنی کمین گاہ گورنر کے اس کمرے میں بنائی جو قلعے کے چبوترہ کے بالکل سامنے تھا۔ اور اپنے سارے ساتھیوں کو بھی وہیں بلا لیا۔ علی الصبح قلعہ کا دروازہ کھلا۔ چند غلام گورنر کا گھوڑا لیے ہوئے آتے نظر آئے۔ ابن سعود تیار ہو گیا۔ جیسے ہی گورنر برآمد ہوا ابن سعود ایک جست میں کمرہ سے باہر اور دوسری جست میں نعرہ مار کر گورنر کے اوپر تھا۔ گورنر اس غیر متوقع حملے سے گھبرا سا گیا لیکن بہت جلد اس نے اپنے حواسوں پر قابو پا لیا اور ابن سعود پر تلوار کا وار کیا۔ ابن سعود نے وار خالی دیکر گورنر کو دبوچ لیا۔ اور ابن سعود کے ساتھیوں نے گارڈ کے سپاہیوں کو جو انتہائی بد حواسی میں حالات کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے گولیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ اس ہڑبونگ میں گورنر نکل بھاگا لیکن ابن سعود کے بھائی کی تلوار سے مارا گیا۔ قلعہ کے چالیس سے زیادہ سپاہی ابن سعود کے ساتھیوں نے کاٹ ڈالے۔ اور جو باقی تھے وہ بھاگ گئے۔

صبح اہل ریاض کو ابن سعود کی جانبازی کا حال معلوم ہوا۔ یہ لوگ خود آل رشید سے تنگ آ گئے تھے انھوں نے ابن سعود کو خوش آمدید کہا اور خود ہی آل رشید کی بقیہ فوجی چوکیوں پر حملہ کر کے اس کی فوجوں کو بھگا دیا۔ اور اس طرح کئی برس بعد ریاض پر سعودیوں

کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔

ریاض فتح ہونے کے بعد ابن سعود نے کویت سے فوراً ہی اپنے والد عبدالرحمان کو بلایا اور ریاض کا تخت انھیں پیش کر دیا لیکن عبدالرحمن اس تخت سے ابن سعود ہی کے حق میں دست بردار ہو گئے کیونکہ اس کا مستحق فی الحقیقت ابن سعود سے زیادہ اور کوئی نہ تھا۔

سعودیوں کی اس فتح کے ساتھ آل رشید سے معاملہ ختم نہیں ہوا بلکہ فتح ریاض کے فوراً بعد آل رشید اور سعودیوں میں دو معرکے اور پڑے لیکن پانسہ پلٹ چکا تھا۔ آل رشید کو دونوں معرکوں میں شکست فاش ہوئی اور ابن سعود ہر معرکے میں مظفر و منصور رہا۔ اطراف و جوانب کے قبائل جواب تک ابن سعود کا ساتھ دینے میں متامل سے تھے جوق جوق ابن سعود کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے اور تھوڑے ہی دنوں میں صحرا کے اکثر قبائل اور نجد کا جنوبی حصہ ابن سعود کے زیر اقتدار آ گیا۔ اور ابن سعود باقاعدہ ان قبائل کا سردار بن گیا۔

آل رشید سے پھر بھی چھیڑ چھاڑ جاری رہی لیکن اب کے اس چھیڑ چھاڑ کی صورت دوسری تھی۔ پہلے آل رشید سعودیوں کو دبایا کرتے تھے اب ابن سعود نے آل رشید کو دبانا شروع کیا۔ جنوبی نجد کو زیر کرنے کے بعد ابن سعود شمالی نجد کی طرف متوجہ ہوا اور "قاسم" کا زرخیز علاقہ

جو مدت سے آل رشید کے زیر اقتدار چلا آتا تھا فتح کرلیا۔ اس فتح کے بعد عملاً سارا نجد ابن سعود کے زیر نگیں آگیا۔ اور نجدیوں نے اسے متفقہ طور پر امیر نجد تسلیم کرلیا۔

اس نوبت پر ابن سعود کی راہ میں ایک اور مشکل پیش آئی۔ ترکی حکومت جو دور سے بیٹھی آل رشید اور سعودیوں کے معرکے دیکھ رہی تھی وسطی عرب میں سعودیوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو دیکھکر گھبرائی اور اس نے آل رشید کو فوجی مدد دے کر پھر ابن سعود کے مقابل کر دیا۔ ترکی فوجوں کی مدد سے آل رشید نے قاسم پر حملہ کر دیا۔ ابن سعود نے مدافعت کی اور شکست کھائی لیکن اس کے کچھ ہی دنوں بعد ابن سعود دوسری مرتبہ آل رشید اور ترکی فوجوں کے مقابل ہوا۔ اور انھیں بری طرح پسپا کر دیا۔ اس شکست کے بعد بصرہ کے ترکی گورنر نے ایک زبردست ترکی فوج ابن سعود کے مقابلے کیلئے بھیجنے کی تیاری شروع کر دی۔ ابن سعود ان تیاریوں کا حال سن کر گھبرایا اور کویت کے شیخ مبارک کو بیچ میں ڈال کر ترکوں سے اس شرط پر صلح کر لی کہ ترکوں کا ایک ڈویژن قاسم کے علاقہ میں مقیم رہے گا۔ ترکوں سے صلح کرنیکے بعد ابن سعود کو کسی قدر اطمینان ہوا اور اس نے نجد میں اپنے پوزیشن کو اور زیادہ مضبوط بنانا شروع کر دیا۔

ترکوں اور سعودیوں کی صلح کے بعد بھی آل رشید نے دم نہ لیا،

کچھ دنوں طرح دیکر عبدالعزیز ابن رشید خود ایک چھوٹی سی فوج کے ساتھ ابن سعود کے علاقے میں آیا اور دیہات لوٹنے شروع کر دیئے اس مرتبہ وہ ابن سعود سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ دیہاتوں کو لوٹ کر اپنے علاقے میں واپس ہو جانا چاہتا تھا۔ لیکن ابن سعود کو جیسے ہی اپنے علاقہ میں ابن رشید کی آمد کا حال معلوم ہوا وہ برق صفت تیزی سے آل رشید پر جا پڑا اور دم کی دم میں اس کی چھوٹی سی فوج کو کاٹ کر رکھدیا۔ اس لڑائی میں عبدالعزیز ابن رشید بھی مارا گیا۔ جس کے باعث آل رشید کی رہی سہی قوت بھی ختم ہو گئی۔ ابن رشید کی جانشینی پر آل رشید میں معرکے پڑنے شروع ہوئے۔ اور سعودیوں کو اپنی شمالی سرحد کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

لیکن یہ اطمینان زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکا۔ ایک دفعہ پھر آل رشید نے ابن سعود کے خلاف سر اٹھایا اور اب کے شیخ مبارک حاکم کویت نے بھی خفیہ طور پر ان کی مدد کی جو خود بھی ابن سعود کو اس قدر طاقتور دیکھنا پسند نہ کرتا تھا۔ بغاوت بہت جلد قاسم کے علاقہ میں پھیل گئی۔ اور جو شہر ابن سعود نے فتح کئے تھے وہ اس کے ہاتھ سے جاتے رہے لیکن ابن سعود اس بغاوت سے ذرا نہ گھبرایا، اپنی فوجوں سمیت فوراً موقع پر پہونچا۔ اور کئی دن کی مسلسل لڑائی کے بعد بالآخر بغاوت کو پوری طرح کچلنے اور اپنے شہر واپس لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اس دفعہ اس بری طرح اس نے آل رشید کو کچلا تھا کہ ان میں مدتوں سر اٹھانے

کا حوصلہ باقی نہ رہا۔

ابن سعود آل رشید کو کچل کر مظفر و منصور ریاض پہونچا ہی تھا
کہ اسے نجد کے جنوب میں ایک اور خطرے کا علم ہوا، نجد و حجاز کے
درمیان کاروان کے راستہ میں ایک چھوٹا سا علاقہ ہے "عتبیہ"
اس علاقہ پر قبضہ کے سلسلے میں شریف حسین اور ابن سعود کے درمیان
اختلاف ہوا۔ شریف حسین اس پر اپنا قبضہ بتاتا تھا اور ابن سعود اسے
نجدی کہتا تھا۔ یہ قضیہ بڑھتے بڑھتے نازک صورت اختیار کر گیا شریف
حسین نے اپنے لڑکے عبداللہ کی ماتحتی میں فوجیں بھیجدیں کہ "عتبیہ"
پر قبضہ کر لے۔ اس کے جواب میں ابن سعود نے اپنے بھائی سعد کو مقابلہ
کیلئے بھیجا۔ دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ سعودیوں کو شکست ہوئی
اور سعد گرفتار ہو گیا۔ ابن سعود اس شکست کا بدلہ لینے کی تیاری ہی
کر رہا تھا کہ جنوبی نجد میں یکایک اس کیخلاف بغاوت کا ایک طوفان
اٹھ کھڑا ہوا۔ ابن سعود کے بڑے چچا کے لڑکوں نے جو اپنے آپ کو
سلطنت نجد کا اصلی وارث سمجھتے تھے قبیلہ "عجمان" کی حمایت میں ابن
سعود کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ریاض پر ہجوم
کر آئے۔ ابن سعود اس نئی افتاد سے گھبرایا۔ اس نے فوراً شریف حسین
سے صلح کر لی اور عتبیہ شریف حسین کے حوالے کرکے ریاض کی طرف واپس
چلا، راستہ میں ابن سعود اور اس کے چچا کے لڑکوں میں مقابلہ ہوا،

گھمسان کا رن پڑا، باغیوں کو مکمل شکست ہوئی، اس کے چچا کے لڑکے صحرا کی طرف بھاگ گئے۔ بدویوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا لیکن ابنِ سعود نے ان لوگوں کو شکستِ فاش دینے کے بعد بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ جو بدوی اس بغاوت میں شریک ہوئے تھے ان کے گاؤں کے گاؤں تباہ کر ڈالے قبائل کے قبائل اپنی بندوقوں سے بھون ڈالے جو بغاوت میں ان کے سرغنہ تھے انھیں چھانٹ چھانٹ کر اور چُن چُن کر پھانسی پر لٹکا دیا۔ غرض اس بُری طرح ابنِ سعود نے اہل قبائل کو اس بغاوت کی سزا دی کہ سارا نجد کانپ اٹھا اور ایک مدت تک کے لئے امن و امان کی صورت پیدا ہو گئی۔

یہ زمانہ ۱۹۱۳ء کا تھا جب ترکوں پر بلقان کی ریاستوں نے چڑھائی کر دی تھی جس سے خود ترکوں کی زندگی کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا اس موقع پر ترکوں نے عرب سے بھی اپنی فوجیں طلب کر لی تھیں اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی برائے نام چھوڑ دیں۔ علاقہ قاسم کی ترکی فوج بھی واپس قسطنطنیہ طلب کر لی گئی۔ اور ساحلی علاقوں میں "الحصا" پر ترکوں کا قبضہ تھا اور وہاں ترکوں کا ایک گورنر رہا کرتا تھا جس کی ماتحتی میں ایک ترکی ڈویژن ہوا کرتا تھا۔ لیکن جنگِ بلقان میں اس علاقہ کی ترکی فوج بھی قسطنطنیہ بھیج دی گئی اور "حصا" کے پایۂ تخت "ھفوف" میں ترکوں کی فوج برائے نام رہ گئی۔ ابن سعود کو ترکوں

سے ہمیشہ سے پرخاش تھی اس وقت اسے موقع مل گیا کہ وہ ترکوں کی اس ذراسی فوج کو ٹھکانے لگاکر سارے صوبہ الحصا پر قبضہ کرلے۔ اس نے فوراً مگر چپکے چپکے لڑائی کی تیاریاں شروع کردیں۔ اور ایک رات سات ہزار نجدی سپاہیوں کے ساتھ الحصا کی طرف چکردار راستہ سے کوچ کردیا اپنا رُخ چونکہ ابن سعود نے دوسری طرف رکھا تھا اس لئے حصا کی ترکی فوجیں ابن سعود کی صحیح منزل مقصود سے بے خبر رہیں۔ ابن سعود نے دس میل کا چکر دیکر ایک رات اپنی فوج "حفوف" کے سامنے لااتاری اور راتوں رات شہرپناہ پھاند کر اپنے سپاہی لئے سوتے ہوئے ترکوں پر جا پڑا۔ جس وقت تک ترکوں کو اچھی طرح خطرہ کا احساس ہوا اس وقت تک شہر پر ابن سعود کا قبضہ ہوچکا تھا اور ترکوں کا گورنر مسجد میں قلعہ بند ہوکر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن بعد میں ابن سعود نے اس کو امان دی اور حفوف سے اپنے ساتھیوں سمیت ساحل سمندر تک جانے کی اجازت دیدی تاکہ وہ بصرہ اور وہاں سے قسطنطنیہ چلا جائے۔

حفوف کی فتح کے بعد ترکوں کیلئے اس کے سوا چارہ کار نہ رہا کہ وہ ابن سعود سے صلح کرلیں۔ حصا کو نجد میں شامل کرلینے کی اجازت دیدیں اور اس پر ابن سعود کی قیادت تسلیم کرلیں۔ اس کے جواب میں ابن سعود نے اپنے اوپر ترکوں کا اقتدار تسلیم کرلیا۔

یورپ میں جنگ عظیم شروع ہوچکی تھی، ترکی جرمنی کے ساتھ

ہوگیا تھا۔ برطانیہ نے عرب میں ریشہ دوانیاں شروع کردیں۔ شریف حسین سے سودا ہونے لگا، کویت کا شیخ تو تھا ہی برطانیہ کی حمایت میں ابن سعود کا بڑھتا ہوا اقتدار دیکھکر انگریزوں نے اسے بھی اپنی طرف کرلینا چاہا۔ برطانیہ کے کئی پیغامبر ریاض پہونچے، ابن سعود کو روپیہ کا بھی لالچ دیا۔ اور یہ بھی یقین دلایا کہ برطانیہ اسے آزاد عرب بادشاہ تسلیم کریگی ابھی ابن سعود کوئی فیصلہ نہیں کرنے پایا تھا کہ ترکوں نے پھر آل رشید کو ابھار کر ابن سعود کے مقابل صف آرا کردیا۔ مقصد یہ تھا کہ ابن سعود انگریزوں سے معاملہ نہ کرنے پائے۔

آل رشید عبدالعزیز ابن رشید کے انتقال کے بعد اگرچہ آپسی جھگڑوں میں پھنس گئے تھے لیکن اس موقع پر وہ متحد ہوکر ابن سعود کے مقابل ہوئے۔ "جارب" پر ان کی فوجیں جمع ہونی شروع ہوئیں۔ ابن سعود یلغار کرتا ہوا جارب پہونچا اور بے تکلف دشمن پر جا پڑا۔ دوپہر سے شام تک بڑی گھمسان کی لڑائی رہی۔ دونوں میں کسی کے ہاتھ بھی میدان نہ آیا۔ شام کے قریب ابن سعود کی فوجوں میں ابتری پیدا ہوئی۔ ابن سعود نے اپنی فوجوں کا حوصلہ بڑھانا چاہا لیکن صورت حال بگڑ چکی تھی۔ سعودی فوجوں کے قدم اکھڑ گئے آل رشید ہر طرف سے ان پر برسنے لگے۔ جو بچ سکے وہ بھاگ گئے جو نہ بچ سکے وہ آل رشید کی تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔ ابن سعود جارب سے شکست خوردہ جب واپس ریاض آیا تو اس کے ساتھ صرف

مٹھی بھر

اس لڑائی میں شکسپئر نامی وہ انگریز پیغامبر بھی مارا گیا جو برطانیہ
کی طرف سے ابن سعود کے نام پیغام لایا تھا۔ اور جس نے ابن سعود کی تنبیہہ
کے باوجود صحرا کی یہ لڑائی دیکھنے پر اصرار کیا تھا۔

جارب کی شکست سے نجد میں ابن سعود کے اقتدار پر کاری ضرب لگی
"عجمان" جو مدت سے اس تاک میں تھے کہ ابن سعود کو کمزور پا کر بغاوت
کردیں چپکے چپکے حملہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ آل رشید بھی جارب کی فتح
سے چونکہ ان کے دل بڑھ گئے تھے اس لئے قاسم کے علاقہ کی طرف
متوجہ ہوئے۔ لیکن شمال یا جنوب کسی طرف سے مخالف قبائل نے ابن سعود پر
فی الفور حملہ نہیں کیا بلکہ اس کی طاقت کا اندازہ کرتے رہے تاکہ حملہ کا
کوئی صحیح وقت متعین کرسکیں۔ ابن سعود شکست کھانے کے بعد بھی بہت
طاقتور تھا۔ اور عجمان اور آل رشید اسے آسانی سے زیر نہیں کرسکتے تھے
یہ وہ زمانہ تھا جب برطانوی فوجیں قط الامارا پر دوبارہ حملہ کرکے اسے فتح
کرچکی تھیں۔ اور بے تکلف بغداد کی طرف بڑھتی جا رہی تھیں۔ ابن سعود نے
ابھی تک یہ طے نہیں کیا تھا کہ وہ جنگ عظیم میں کس کی حمایت کرے لیکن
آل رشید کے حملے کے بعد جو ترکوں کے اشارے اور امداد سے کیا گیا تھا
ابن سعود کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگئی۔ وہ فوراً ریاض سے الحصا پہنچا
اور الحصا کے بندرگاہ "اجائر" میں اس نے برطانیہ کے ساتھ معاہدہ کرلیا
[illegible]

ابن سعود نے یہ عہد کر لیا کہ وہ برطانیہ یا اس کے حلیفوں پر حملہ نہ کریگا۔ اور نہ اس کے دشمنوں کو مدد دیگا۔ اس معاہدہ کے بعد برطانیہ نے ابن سعود کو پانچ ہزار پونڈ ماہوار دینے منظور کئے۔ اور اس کی فوج کیلئے بہت سے انگریزی ہتھیار بھی بھیجے۔

اس معاہدہ سے فارغ ہو کر ابن سعود عجمان کی طرف متوجہ ہوا۔ اس قبیلے نے اسے سخت بے چین کر رکھا تھا۔ ابن سعود چاہتا تھا کہ آل رشید کی طرح جلد سے جلد اس کا بھی قلع قمع کر ڈالے۔ ابن سعود اخوان کا ایک دستہ اور اپنے جاں نثار قبائل کی تھوڑی سی فوج لیکر عجمان کی طرف چلا۔ راستے میں کھجور کے جنگل میں ان دونوں فوجوں کا رات کی تاریکی میں مقابلہ ہوا۔ عجمان نے ابن سعود کو دھوکا دینے کیلئے اپنی تھوڑی سی فوج تو سامنے رکھی لیکن فوج کا بڑا حصہ جنگل میں چھپا دیا۔ جیسے ہی ابن سعود نے اپنے سامنے کی فوج پر حملہ کیا عجمان نے ابن سعود کی فوج کو پیچھے سے گھیر لیا۔ رات کی تاریکی میں دوست دشمن کی تمیز جاتی رہی، گھمسان کا رن پڑا، ابن سعود کا بھائی سعد جو اس کے برابر لڑ رہا تھا ہلاک ہو گیا۔ خود ابن سعود بھی زخمی ہو گیا۔ سعودیوں کو بری طرح شکست ہوئی اور وہ عجمان کے علاقے سے پسپا ہو جانے پر مجبور ہو گئے۔

ابن سعود کی اس شکست کے بعد بدوی قبائل میں بھی اس کیخلاف ایک حرکت پیدا ہوئی۔ آل رشید نے قاسم کے علاقے پر حملہ کر دیا۔ لیکن

ابن سعود کے نائب نے جو "بریدہ" میں مقیم تھا آل رشید کو شکست دیدی جس کے بعد آل رشید کی پیش قدمی رک گئی۔ لیکن ابن سعود ابھی تک دشمنوں میں گھرا ہوا تھا۔ عجمان نے اپنی کچھ فوج بھیج کر الحصا کے پائتخت حفوف کا محاصرہ بھی کر رکھا تھا، ابن سعود کو اس دشمن کے مقابلہ میں فوراً کوئی تدبیر کرنی تھی ورنہ اندیشہ تھا کہ سارا نجد اس کے ہاتھ سے نکل جائیگا۔

ابن سعود نے ریاض میں اپنے والد کو لکھا کہ مزید فوج بھیجے انگریزوں سے ہتھیار طلب کئے اور شیخ کویت سے مدد مانگی۔ عبدالرحمن نے ریاض سے فوجیں اکٹھی کر کے ابن سعود کو بھیجدیں، انگریزوں نے ہتھیار دیئے شیخ کویت نے اپنے لڑکے سلیم کی ماتحتی میں کچھ فوج بھیجی اس طرح ابن سعود دوبارہ لڑائی کیلئے تیار ہو کر حفوف کی طرف بڑھا تاکہ عجمان کے محاصرے کو توڑ ڈالے۔ یہاں عجمان کو شکست دینے میں ابن سعود کامیاب ہو گیا۔ لیکن اس معرکہ میں اس کی ٹانگ میں ایک گولی لگ گئی اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ اس کے باڈی گارڈ کے سپاہی بمشکل اسے اس کے ڈیرے تک اٹھا کر لائے۔ اسی کے ساتھ یہ اور افتاد پڑی کہ شیخ مبارک کا لڑکا سلیم ابن سعود سے ٹوٹ کر عجمان سے جا ملا۔ ابن سعود اس فتح کے بعد بھی دشمنوں کے نرغے میں تھا۔

لیکن اس کے کچھ دنوں بعد حالات بدلے۔ کویت میں مبارک کا

انتقال ہوگیا۔ سلیم اپنی فوجوں سمیت کویت چلا گیا۔ ابن سعود کو ریاض سے فوجوں کی اور انگریزوں سے ہتھیاروں کی مدد مل گئی۔ اس نے اب کے بڑی تیاری سے عجمان سے جنگ چھیڑ دی۔ تقریباً چھ مہینے حسا کے مختلف علاقوں میں عجمان اور ابن سعود کی فوجوں میں گھمسان کی لڑائیاں ہوتی رہیں لیکن فتح و شکست کئی دن تک برابر ٹلتی رہی۔ چھ مہینے بعد دفعتہً عجمان میں ضعف کے آثار پیدا ہوئے ابن سعود نے ان کی کمزوری کو بھانپا۔ اپنی طرف سے لڑائی میں شدت پیدا کردی عجمان کے قدم اکھڑے ابن سعود کی فوجوں نے گھیر گھیر کر انھیں کاٹنا شروع کر دیا۔ رحم کا اب کوئی کام نہ تھا۔ گاؤں کے گاؤں سعودیوں نے جلا دیئے اور جہاں مخالف قبیلے کا جو فرد ملا اسے کاٹ کر رکھ دیا۔ کچھ عجمان حسا چھوڑ کر بھاگے اور کویت کے شیخ سے پناہ لی، ابن سعود نے شیخ کویت سے مطالبہ کیا کہ ان لوگوں کو واپس کر دے، کویت پر اس وقت مبارک کا بیٹا جابر حکمراں تھا اس نے ابن سعود کی درخواست نہ مانی اور جو عجمان اس کی پناہ میں تھے انھیں واپس دینے سے انکار کر دیا۔ ابن سعود مجبور ہوگیا، کویت پر انگریزوں سے معاہدے کے بعد وہ حملہ نہیں کرسکتا تھا اس لیے حسا واپس آگیا یہاں اس نے بچے کھچے مخالف قبائل کے افراد کو ٹھکانے لگا کر اور عجمان قبیلے کو بالکل پامال کر کے مظفر و منصور ریاض واپس ہوا۔ عجمان کی پامالی کے بعد اب نجد میں ابن سعود کے اقتدار کو چیلنج کرنیوالا کوئی نہیں تھا۔

یہ ۱۹۱۶ء کا زمانہ تھا، عراق برطانیہ نے فتح کر لیا تھا۔ شام کی طرف برطانیہ کی ماتحتی میں شریف حسین کی فوجیں پیش قدمی میں مصروف تھیں۔ ابن سعود عجمان کو پامال کر کے ایک مرتبہ پھر عرب وسطیٰ میں صاحب اقتدار و حکمراں بن گیا تھا، برطانیہ کی توجہ کا مرکز بنا، برطانیہ چاہتی تھی کہ ابن سعود شام کی طرف پیشقدمی میں شریف حسین کی مدد کرے، چنانچہ برطانیہ نے ابن سعود کی خدمت میں ایک وفد سنٹ جان فلبی کی ماتحتی میں ریاض بھیجا تاکہ وہ ابن سعود کو برطانیہ کی مدد پر راضی کرے لیکن ابن سعود نے یہ تجویز پسند نہیں کی اور اس نے صاف صاف وفد سے کہہ دیا کہ انگریزوں اور ترکوں کے درمیان اس نے جو غیر جانب داری کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے وہ بہتر ہے۔ انگریز اسے غیر جانبدار رہنے کیلئے روپیہ دیتے ہیں اور وہ اسی کو پسند کرتا ہے کہ دونوں حریفوں کے درمیان غیر جانبدار رہے۔

اسی دوران میں ۱۹۱۸ء آ گیا، اور اپنے ساتھ ابن سعود کیلئے کچھ نئی مشکلات لایا۔ شریف حسین جو اب شاہ حسین ہو گیا تھا اس نے ابن سعود کو نہایت ہتک آمیز انداز میں لکھا کہ ابن سعود شاہ حسین کی بیعت کرے اور "عتیبہ" سے اپنا دعویٰ اٹھالے ورنہ جنگ کی جائیگی۔ شریف حسین کی اس چیلنج پر ابن سعود کو بہت غصہ آیا اور اس کے ماتحت سردار بھی شریف حسین سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن جان فلبی نے جو اب ریاض میں انگریزوں کی طرف سے ابن سعود کے مشیر کی حیثیت سے رہتا تھا ابن سعود کو سمجھایا کہ

شریف حسین انگریزوں کا دوست ہے اور ابن سعود کا انگریزوں سے معاہدہ ہے۔ اگر ابن سعود نے شریف حسین پر حملہ کر دیا تو اس کا اثر اس معاہدہ پر پڑیگا جو اس نے انگریزوں سے کیا ہے اور یہ سمجھا جائیگا کہ ابن سعود غیر جانبداری سے پھر گیا اور انگریزوں کے دشمنوں کے ساتھ مل گیا۔ فلبی کے اس کہنے سننے کا ابن سعود پر اثر ہوا اور اس نے شریف حسین کے چیلنج کو نظر انداز کر دیا، لیکن شریف حسین جس پر بری طرح اپنی طاقت کا نشہ سوار تھا خاموش نہ بیٹھا۔ اس کے کچھ دنوں بعد نجد کے ایک سرحدی مقام "خرما" پر قبضہ کرنے کیلئے اپنے آٹھ سو سپاہی بھیج دیئے، لیکن ان سپاہیوں سے اہل خرما نے مقابلہ کیا اور انھیں مار بھگایا اور ساتھ ہی ابن سعود کو لکھا کہ وہ فوراً مدد کو پہونچے۔

شریف حسین کی اس حرکت سے ابن سعود مارے غصہ کے بدحواس ہو گیا اور نجدی اخوان جو اب کافی طاقتور جماعت کی صورت اختیار کر گئے تھے سخت مشتعل ہو گئے اور انھوں نے ابن سعود سے مطالبہ کیا کہ شریف حسین کے خلاف فوج کشی کی جائے، چنانچہ ابن سعود نے اس مرتبہ ساری مصلحتوں کو بالائے طاق رکھکر شریف حسین سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن فلبی پھر درمیان میں آگیا اور اس نے اونچ نیچ سمجھا کر ابن سعود کا غصہ ٹھنڈا کر دیا۔ معاملہ بظاہر رفت و گذشت ہوا لیکن کچھ دنوں بعد شریف حسین نے خرما پر ایک اور فوجی حملہ کیا۔ اس دفعہ بھی اہل خرما نے اس کا حملہ پسپا کر دیا۔ اس حملہ کی خبر سے ابن سعود کا مارے غم و غصّہ کے برا حال

ہوگیا۔ اس کے سردار اور سپاہی سب شریف پر حملہ کرنے کیلئے بے چین ہو رہے تھے اور وہ خود بھی شریف کو ان حملوں کا جواب دینے کیلئے بیتاب تھے۔ لیکن برطانیہ کا معاہدہ اس کے گلوگیر تھا اور فلبی اسکے پاؤں میں زنجیر بن گیا تھا جس کے باعث ابن سعود حرکت کرنے ہی سے بے بس ہو رہا تھا۔ فلبی کی رائے سے ابن سعود نے شریف حسین کے نام ایک احتجاج نامہ روانہ کیا جس میں شریف حسین سے درخواست کی کہ وہ خرما پر فوجی تاخت بند کر دے اس سے آپس کے تعلقات خراب ہونیکا اندیشہ ہے لیکن شریف حسین نے ابن سعود کا یہ خط بے پڑھے اسے واپس کر دیا۔ شریف حسین کے اس ہتک آمیز طرز عمل کے بعد ابن سعود سے ضبط مشکل ہو گیا۔ سارے نجد میں اس کے خلاف چہ میگوئیاں ہونے لگیں خرما والوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ابن سعود نے روپے کے عوض اپنا قومی وقار ہی انگریزوں کے ہاتھ بیچ ڈالا، اخوان بگڑ گئے ہیجان نے سر اٹھایا، آل رشید نے بھی جو ترکوں سے ملے ہوئے تھے حرکت شروع کی اور شیخ کویت نے آل رشید کو ابن سعود سے لڑنے کیلئے روپے سے مدد کر دی۔ غرض ابن سعود کو اطراف و جوانب اور خود اس کی فوج میں شورش اور بغاوت کے آثار دکھائی دینے لگے۔

فلبی اب بھی ابن سعود کو روک رہا تھا اور یہ کوشش کر رہا تھا کہ ابن سعود کی توجہ شریف حسین سے ہٹا کر آل رشید کی طرف پھیر دے جو ترکوں کے دوست ہونے کے باعث انگریزوں کے دشمن تھے۔ اس مرتبہ

فلبی کو ابن سعود کے ہموار کرنے میں سخت کوشش کرنی پڑی اور یہ عہد کرنا پڑا کہ انگریز شریف حسین کو خرما پر دوبارہ حملہ کرنے سے روک دینگے اس اقرار کے بعد ابن سعود نے آل رشید پر حملہ کیا، اور ایک ہی حملے میں انھیں "حائل" میں محصور ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ اس جنگ میں لوٹ کا بہت سامان سعودیوں کے حصے میں آیا جس سے ابن سعود کی فوج کسی قدر مطمئن ہو گئی۔ آل رشید نے ابن سعود کو صلح کا پیغام دیا۔ ابن سعود نے چند شرائط کے ماتحت صلح منظور کر لی اور ریاض واپس آ گیا۔

آل رشید پر فتح پانے کے کچھ ہی دنوں بعد ترکوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور سارے عراق و عرب پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ جنگ عظیم ختم ہو گئی لیکن جنگ کے خاتمے کے ساتھ ہی عرب میں انفلوئنزا اور پلیگ کی وبا پھیل گئی۔ ہزاروں آدمی ایک ایک دن میں اس وبا کی نذر ہو گئے ریاض بھی اس سے محفوظ نہ رہا اور ابن سعود کا خاندان بھی اس کی زد سے نہ بچ سکا۔ اس کا پہلا لڑکا "ترکی" جو اس کا جانشین اور ولی عہد بھی تھا پلیگ سے انتقال کر گیا اور ترکی کی ماں، جوہرا بھی جو ابن سعود کی نہایت چہیتی بیوی اور ملکہ تھی دو دن میں چٹ پٹ ہو گئی۔ ان دونوں کی موت کا ابن سعود پر بہت برا اثر ہوا اور مارے غم کے وہ گوشہ نشین ہو گیا۔ لیکن حالات نے اسے بہت دنوں گوشہ نشین نہیں رہنے دیا۔ شروع ۱۹۱۹ء میں شریف حسین نے جو شام کی فتح کے بعد عرب میں کافی با اثر ہو چکا

چکا تھا عتیبہ کو فتح کرنیکی تیاریاں شروع کر دیں۔ اخوان اس خبر سے بالکل بے لگام ہو گئے۔ انھوں نے ابن سعود کو گوشہ نشینی سے باہر کھینچ نکالا۔ اور مطالبہ کیا کہ شریف حسین کے خلاف وہ ان کی رہنمائی کرے۔ جنگ عظیم ختم ہو چکی تھی یہ عذر باقی نہ تھا کہ شریف انگریزوں کا حلیف ہے۔ ابن سعود فوراً راضی ہو گیا اور چپکے چپکے اس نے اخوان کی زبردست فوج چھپواں طریقہ سے خرما میں بھیج دی اور اپنے آپ حلیف قبائل کی ایک طاقتور فوج لیکر عتیبہ کی طرف چلا۔ ادھر شریف حسین نے اپنے لڑکے عبداللہ کی ماتحتی میں چار ہزار تربیت یافتہ فوج جو آلات جدید سے مسلح بھی تھی خرما کی طرف روانہ کر دی۔ شریف کی فوج خرما کے آگے نخلستان میں خیمہ زن ہو گئی اس دھوکے میں کہ ابن سعود کی فوجیں ابھی دور ہیں ان کے پہونچنے میں کئی دن لگیں گے۔ لیکن جس رات شریف کی فوج نخلستان میں خیمہ زن ہوئی اسی رات کی تاریکی میں اخوان نے جو خرما میں اور اس کے آس پاس چھپے بیٹھے تھے ان پر شب خوں مارا اور شریفی فوج کے سنبھلتے سنبھلتے انھوں نے آدھی سے زیادہ فوج کاٹ کر رکھدی جو باقی رہے انھوں نے حملہ کرنا چاہا لیکن حملہ اس قدر اچانک اور کامیاب ہوا تھا کہ شریفی فوج کے قدم نہ جم سکے اور وہ مکہ کی طرف بھاگی۔ رحم یا امان کا اخوان کے آگے سوال ہی نہیں تھا انھوں نے بھاگتے ہی فوج کے بھی ٹکڑے اڑا دیئے اور اس طرح شریف حسین کی چار ہزار فوج میں سے صرف ایک سو سپاہی جن کے آگے عبداللہ تھا

اخوان سے اپنی جان بچا کر مکہ پہونچ سکے۔

شریف حسین کی یہ بڑی تربیت یافتہ اور تجربہ کار فوج تھی جس کا یہ حشر ہوا۔ اس فوج کے تباہ ہوتے ہی حجاز میں ہل چل مچ گئی سعودیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اب مکہ، طائف اور مدینہ ان کے سامنے تھا اور کوئی طاقت ایسی نہیں تھی جو اسے روک سکتی۔

شریف حسین نے انگریزوں سے مدد مانگی لیکن اب انگریزوں کی کوئی خاص غرض شریف سے اٹکی ہوئی نہیں تھی انھوں نے ابن سعود کے خلاف شریف حسین کی مدد کرنے کے مطالبے کو ٹالا اور صاف جواب نہ دیا۔

خرما پر شریف حسین کی فوجوں کو شکست دینے کے بعد اگرچہ حجاز پر حملہ کی راہیں اس کیلئے کھل گئی تھیں لیکن ابن سعود نے نہایت صبر سے کام لیا اور فوری حملہ کرنیکے بجائے اس نے انگریزوں کا رخ معلوم کرنا چاہا۔ ابتداءً تو برطانیہ نے ابن سعود کو دبایا کہ وہ شریف حسین سے نہ الجھے لیکن کچھ ہی دنوں بعد اس کا انداز بدل گیا، عراق میں برطانیہ کیخلاف بغاوت ہوگئی تھی، شام سے فرانسیسیوں کو شریف حسین نے نکال دیا تھا، انگلستان میں عراق کے اخراجات پر اعتراضات ہو رہے تھے حکومت پر زور ڈالا جا رہا تھا کہ عرب اور عراق پر بیکار میں روپیہ اور آدمی نہ صرف کئے جائیں۔ ابن سعود نے یہ رنگ دیکھ کر برطانیہ کی پالیسی کو سمجھنے کیلئے

پہلے آل رشید کو جھنجوڑا، آل رشید نے ترکوں کے بعد شریف حسین اور شیخ
کویت سے سمجھوتا کرلیا تھا، ابن سعود کے حملے کے ساتھ ہی آل رشید نے
شریف حسین سے مدد مانگی۔ شریف حسین نے برطانیہ سے ابن سعود کی شکایت
کی اور زور ڈالا کہ ابن سعود کو آل رشید پر حملہ کرنے سے روکا جائے۔
لیکن اب انگریزوں نے عرب میں ایک قطعی پالیسی متعین کرلی تھی انھوں نے
صاف جواب دیدیا کہ ان اندرونی جھگڑوں میں وہ مداخلت نہ کریں گے۔
اس جواب کے بعد آل رشید نے شیخ کویت سے امداد کی درخواست کی۔
لیکن سلیم کا انتقال ہو چکا تھا جو ابن سعود کا دشمن تھا اس کا لڑکا احمد
شیخ کویت تھا۔ اس نے ابن سعود سے بگاڑنا مناسب نہ سمجھا اور آل رشید
کو مدد دینے سے انکار کردیا۔ دونوں طرف کے اس کورے جواب کے
بعد آل رشید بالکل ابن سعود کے رحم و کرم پر تھے اور ابن سعود کی فوجیں
شمار قبائل کو زیر کرتی ہوئی بے تکلف حائل پر بڑھی چلی جارہی تھیں۔ حائل کے
قریب آل رشید نے ابن سعود کا ہلکا سا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی حائل
پر آسانی سے ابن سعود کا قبضہ ہو گیا۔ شمار قبائل کے بہت سے افراد
بھاگ کر عراق میں فیصل کے پاس چلے گئے جو بچے انھوں نے ابن سعود
کی اطاعت کرلی۔ ابن سعود مظفر و منصور ریاض کو لوٹا۔ ایک میل آگے
جاکر اس کے والد عبدالرحمٰن اور علمائے ریاض نے اس کا استقبال کیا
آج تک سعودیوں کو حائل فتح کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی ابن سعود ہی کے سر
[illegible]

کرلیا اور آل رشید کو بالکل پامال کر ڈالا۔ اس فتح کے بعد ابن سعود کا خطاب سلطان نجد و ملحقات ہوا۔

آل رشید کی قوت کو ہمیشہ کیلئے ختم کرنے کے بعد ابن سعود جنوب کی طرف متوجہ ہوا تاکہ شریف حسین سے بھی اپنا پرانا قضیہ چکا ڈالے انگریزوں کی غیر جانب داری آل رشید سے مقابلہ میں ظاہر ہو چکی تھی۔ اور فلبی نے بھی جو اب بجائے برطانوی سفیر کے ابن سعود کا مشیر خاص بلکہ نفس ناطقہ بنا ہوا تھا ابن سعود کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ انگریز شریف حسین سے سخت ناراض ہیں اس لئے کہ شریف شام اور فلسطین پر غیر ملکی اقتدار تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہے اور بار بار اس مسئلے کو اٹھا کر وہ برطانوی مدبروں کو زچ کر رہا ہے۔

ابن سعود نے اس موقعے سے فائدہ اٹھانے اور اپنے پرانے دشمن شریف حسین سے نمٹنے کا تہیہ کرلیا لیکن ابھی اس کی تیاریاں مکمل نہیں ہوئی تھیں کہ یکایک اس پر سوداوی بخار کا حملہ ہوا اور وہ صاحب فراش ہوگیا۔ بخار کا حملہ سخت تھا علاج اگرچہ بڑی توجہ سے کیا گیا لیکن پھر بھی بخار کے اترتے اترتے کئی دن لگ گئے۔ اور جب بخار اترا تو معلوم ہوا کہ ابن سعود کی بائیں آنکھ پر اپنا اثر چھوڑ گیا جس سے آنکھ کی روشنی جاتی رہی۔ آنکھ کے علاج میں بھی دیر لگی ایک شامی ڈاکٹر نے آپریشن کیا اور آنکھ میں کسی قدر روشنی آگئی مگر یہ خوف پیدا ہوا کہ اس نا گہانی حملہ سے آنکھ

ایک سال گذر گیا۔ اور ابن سعود اپنی مرضی کے خلاف خاموش پڑے رہنے پر مجبور رہا۔

جب تندرست ہو گیا تو پھر شریف حسین سے مقابلہ کا مسئلہ اس کے سامنے آیا۔ حالات اس ایک برس میں بہت کچھ بدل گئے تھے، شریف حسین اور انگریزوں کے درمیان بہت سے مسائل میں رنجش پیدا ہو گئی تھی فیصل اور عبداللہ نے بہت کوشش کی کہ شریف کی انگریزوں سے صفائی ہو جائے لیکن شریف حسین کے طرز عمل کے باعث جب صفائی نہ ہو سکی تو شریف حسین کے یہ دونوں لڑکے بھی باپ سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ خود مکہ اور مدینے میں شریف حسین کے خلاف فضا پیدا ہو گئی تھی۔ اور باہر کے مسلمان بھی اس کی بد انتظامیوں کی خبر سن سن کر اس کے خلاف ہونے لگے تھے۔

ابن سعود کیلئے یہ بڑا اچھا موقع تھا لیکن اس نے پھر بھی بڑی احتیاط سے کام لیا۔ حسین سے وہ آل رشید کی طرح مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ مسلمانوں کے مقدس مقامات مکہ اور مدینہ چونکہ شریف حسین کے قبضہ میں تھے اس لئے ان مقامات پر حملہ کرنے کیلئے پہلے مسلمانان عالم کو ہموار کر لینا اس کیلئے ضروری تھا۔

اس کی ابتدا اس نے ریاض سے کی وہاں وہابیوں کی ایک زبردست کانفرنس اس کے والد عبدالرحمٰن کی صدارت میں ہوئی جس نے بالاتفاق شریف حسین کے خلاف فیصلہ کیا اور ابن سعود سے درخواست کی کہ وہ حسین پر حملہ

کرکے مکہ اور مدینہ کو "مشرکین" کے قبضہ سے نکال لے۔ اس فیصلہ کے بعد ابن سعود نے ریاض میں حافظ وہبہ کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی اور عالم اسلام میں شریف حسین کے خلاف اور ابن سعود کی حمایت میں پروپیگنڈے کا کام اس کے سپرد کیا۔ اور ان سب ابتدائی مراحل کو طے کرکے ابن سعود شریف حسین سے آخری مقابلے کی تیاری میں مصروف ہوگیا۔

عراق اور شرق اردن پر فیصل اور عبد اللہ حکمراں تھے، شریف حسین سے لڑائی کی صورت میں ان دونوں کی طرف سے نجد پر حملہ کا اندیشہ تھا۔ ابن سعود نے اخوان کے کچھ دستے احتیاطاً عراق کی سرحد پر اور کچھ دستے شرق اردن کی سرحد پر بھیج دیئے۔ اس کے بعد عتبہ کے امیر کی ماتحتی میں ایک زبردست فوج "طرابہ" کے راستے طائف پر حملہ کرنے کیلئے بھیجدی۔

عراق اور شرق اردن کی سرحدوں پر فیصل اور عبد اللہ کی فوجوں نے اخوان سے سخت مقابلہ کیا اور انھیں بہت نقصان پہونچایا لیکن اسی دوران میں عتبہ کے امیر کی فوجیں برابر کامیابی سے طائف کی طرف بڑھتی رہیں اور بغیر کسی سخت معرکے کے اسے فتح کرلیا۔ طائف میں اسوقت حجازیوں کی تھوڑی سی فوج تھی اور شریف حسین کا بڑا لڑکا علی وہاں موجود تھا، علی وہابیوں کے حملہ کی تاب نہ لاکر وہاں سے فرار ہوگیا اور اہل طائف نے وہابیوں پر شہر کے دروازے کھول دیئے لیکن جیسے ہی وہابی شہر میں داخل ہوئے کسی نے ان پر پولیس کی چوکی کی طرف سے فائر کر دیا جسکے باعث وہابیوں نے شہر میں قتل عام کا حکم دیدیا اور تین

شہریوں کو قتل کر ڈالا۔ اس فتح کی خبر سے مکہ میں بڑی پریشانی پھیل گئی،
شریف حسین وہابیوں سے لڑنا چاہتا تھا لیکن اسکے جھنڈے کے نیچے انتہائی کوشش
کے باوجود کوئی حجازی قبیلہ لڑنیکو تیار نہ ہوا۔ اہل شہر نے شریف حسین پر زور دیا
کہ وہ علی کے حق میں تخت سے دستبردار ہو جائے تاکہ وہابیوں سے صلح کی گفتگو کی جا
سکے ابتداءً شریف حسین اس پر راضی نہوا لیکن جب دیکھا کہ اس کے سوا کوئی اور چارہ کار
بھی نہیں ہے، تو وہ علی کے حق میں تخت سے دستبردار ہو گیا اور خود اسی وقت اپنے اہل و عیال
اور ضروری سامان لیکر ایک موٹر میں بیٹھکر جدّہ چلا گیا۔ جدّہ سے وہ عقبہ پہونچا اور عقبہ سے
انگریزوں کی پناہ میں جزیرۂ قبرص چلا گیا۔

شریف حسین کے مکّہ سے چلے جانیکے بعد وہابیوں کو کسی نے مطلق روکنے کی کوشش نہیں
کی، علی برائے نام حکمراں تھا، طائف سے جب نجدیوں کو مکّہ کی طرف بڑھتے دیکھا تو اس نے
بھی مکّہ چھوڑ دیا اور جدّہ کی راہ لی۔ اہل مکّہ نے بے چون و چرا شہر وہابیوں کے حوالے
کر دیا کیونکہ انھیں ڈر تھا کہ ذرا سی بھی مخالفت سے کہیں طائف کی طرح یہاں بھی قتل عام نہ
ہو جائے۔ مکّہ پر قبضہ کرنیکے بعد وہابیوں نے مکّہ کے گرد کے مزارات اور قبّے توڑ دیئے۔ اور
قبروں کو پامال کر ڈالا۔ مکّہ کی فتح کے بعد سعودی فوجوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے تھے
کہ انکی پیشقدمی کو روکنا ناممکن ہو گیا تھا مکّہ کے اطراف و جوانب کے شیوخ نے فوراً انکی
اطاعت قبول کر لی اور دور دور کا علاقہ بے لڑے بھڑے انکے قبضہ میں آ گیا البتہ
جدّہ اور مدینہ پر ابھی تک سعودیوں کا قبضہ نہ ہو سکا تھا۔ اسی دوران میں حج کا زمانہ آ گیا
ابن سعود نے اعلان کیا کہ مسلمان حج کیلئے رابغ کے راستے آ سکتے ہیں اور ابن سعود
انکی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا لیکن اسکے باوجود اس سال زائرین کی تعداد بہت ہی کم تھی

حج کے بعد جدّہ اور مدینہ کے خلاف سعودیوں کی جنگی کارروائیاں شروع ہوئیں۔ اگست ۱۹۲۵ء میں نجدی فوجیں مدینہ کی طرف بڑھیں راستہ میں قدیم مزارات اور زیارت گاہوں کو تباہ و برباد کر دی گئیں۔ مدینہ پر سعودیوں کا ہلکا سا مقابلہ کیا گیا سعودیوں نے شہر پر گولے اور گولیاں برسانی شروع کر دیں شہر والوں کو اندیشہ ہوا کہ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آرام گاہ کے ساتھ گستاخی نہ کریں اس لئے ۵ر دسمبر ۱۹۲۵ء کو شہر سعودیوں کے حوالے کر دیا اس احتیاط کے باوجود اس لڑائی میں گنبد خضرا پر پانچ سعودی گولیوں کے نشان پائے گئے۔ مدینہ کے بعد علی نے جدّہ بھی سعودیوں کے حوالے کر دیا اور ۲۵۔ دسمبر کو ابن سعود نے اعلان کر دیا کہ حجاز پورے طور پر فتح ہو گیا۔

دوران جنگ میں جب کبھی ممالک مقدسہ کی طرز حکومت کا مسئلہ چھڑا ابن سعود نے یہ یقین دلایا کہ مکہ اور مدینہ میں جمہوری وضع کی حکومت ہو گی اور عالم اسلام کے نمائندے یہاں کے انتظام کیلئے ایک مجلس منتخب کریں گے۔ یہ اعلان اسی مرتبہ ہوا تھا کہ ابن سعود کے لئے اس سے پھر جانے کا کوئی موقع نہ تھا چنانچہ جنوری ۱۹۲۶ء کو حج کے موقع پر مکہ میں موتمر اسلامی کے نام سے چند اسلامی ممالک کے نمائندوں کا اجتماع ہوا لیکن اس انداز سے کہ کسی غیر ملک کے نمائندہ کو اس موتمر میں منہ کھولنے تک کی اجازت نہیں دی گئی۔ نجدیوں نے اس نام نہاد موتمر میں یہ تجویز پیش کی کہ ابن سعود کو حجاز کا والی اور بادشاہ تسلیم کر لیا جائے، اور دوسرے ممالک کے نمائندوں سے رائے لئے بغیر ہی اس کا بھی اعلان کر دیا کہ ابن سعود کو حجاز کا بادشاہ منتخب کر لیا گیا۔

اس موقع پر ہندوستان سے بھی ایک وفد اس موتمر میں گیا تھا جس کے صدر

سید سلیمان ندوی اور ممبروں میں محمد علی مرحوم تھے۔ اس زمانہ میں محمد علیؒ ابن سعود کی حمایتیوں
میں تھے لیکن جب انھوں نے موتمر کا یہ رنگ دیکھا کہ وہاں آزادی رائے غائب ہے اور جمہوریت
کی آڑ میں ملوکیت کی پرستش کرائی جارہی ہے تو وہ ابن سعود کے مخالف ہو گئے اس موقع پر
محمد علیؒ اور ان کے ساتھیوں نے قدیم مزارات، قبوں اور زیارت گاہوں کی تصویریں بھی لی
تھیں جنھیں وہابیوں نے زمیں دوز کردیا تھا اور انکی دوبارہ تعمیر کی درخواست کو ماننے سے
انکار کردیا تھا۔

اسی موقع پر مصری محمل شریف کا وہ واقعہ بھی پیش آیا جسکے باعث مدتوں حکومت
مصر اور ابن سعود کے تعلقات خراب رہے۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ مصری محمل حسب دستور جدہ سے
ایک مصری فوجی دستے اور فوجی بینڈ کے ساتھ جب منیٰ پہونچا تو وہاں وہابیوں نے اسے
گھیر لیا بعضوں نے اسے مصری بت بتایا بعضوں نے باجے پر اعتراض کیا اور پھر سارے مجمع
نے ملکر فوجی دستے پر جو محمل کے ہمراہ تھا پتھر برسانے شروع کر دیئے ابتداءً تو مصریوں نے
سمجھا بجھا کر اس ہنگامے کو فرو کرنا چاہا لیکن جب مجمع ہر طرف سے "مشرک مشرک" کی صدا لگاتا
ہوا ان پر ٹوٹ پڑا تو انکیلئے اسکے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ اپنی حفاظت کیلئے ہتھیار
سنبھال لیں، مصری دستے نے پہلے ہوا میں فیر کئے لیکن جب اس پر بھی وہابیوں نے نہ مانا
اور کئی مصری سپاہیوں کو پتھر مار کر بری طرح زخمی کر ڈالا تو مصری دستے نے مجمع پر اپنے بچاؤ
کیلئے فیر کرنے شروع کر دیئے جس سے ۲۵ وہابی ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے۔

ابن سعود بھی اس وقت منیٰ میں تھا جب یہ خبر اسے ملی وہ فوراً موقع پر پہونچا اور
اپنے اثر سے مجمع کو منتشر کر کے مصری دستے کو حفاظت سے مکہ پہونچوا دیا لیکن حج کے بعد ابن
سعود نے مصری حکومت سے اسکے فوجی دستے کی اس حرکت پر باز پرس کی مصری حکومت

نے اسکے جواب میں خود وہابیوں کو ملزم ٹھیرایا، بات بڑھ گئی، دونوں حکومتوں کے درمیان کشیدگی پیدا ہوگئی اور مصریوں نے تا تصفیہ مصر سے محمل کی روانگی روکدی اور مصری حاجیوں کو بھی حج سے منع کر دیا لیکن کچھ دنوں بعد حکومت مصر اور ابن سعود میں صفائی ہوگئی اور آجکل دونوں ملکوں کے تعلقات نہایت خوشگوار ہیں بلکہ مصر نے حکومت حجاز کو کچھ روپیہ بھی قرض دے رکھا ہے

حجاز کے جنوب میں عسیر اور عسیر کے جنوب میں یمن واقع ہے جہاں امام یحییٰ حکمراں ہیں۔ امام یحییٰ چونکہ سنّی عقائد کے مسلمان ہیں اسلئے وہابیوں سے مذہبی حیثیت سے انھیں کوئی تعلق نہیں رہا ابتداءً ابن سعود اور امام یمن کے سیاسی تعلقات میں اختلاف مذہب کے باوجود بھی کشیدگی کی کوئی وجہ پیدا نہیں ہوئی لیکن ۱۹۳۲ء میں عسیر کے علاقہ پر ابن سعود اور امام یمن کے درمیان کچھ بدمزگی پیدا ہوگئی۔ عسیر کا کچھ حصہ ابتدا ہی میں ابن سعود نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا اور باقی حصے پر محمد ادریس حکمراں تھا۔ جب محمد ادریس کا انتقال ہوا تو ایک طرف سے امام یحییٰ عسیر میں بڑھے اور دوسری طرف سے ابن سعود، نوبت مقابلہ تک پہونچی لیکن بہت جلد آپس میں صلح صفائی ہوگئی جتنا علاقہ امام یحییٰ لے چکے تھے وہ انھیں دیکر باقی حصے پر ابن سعود نے اپنا قبضہ جما لیا لیکن اطمینان قلب ابن سعود کو اب بھی نصیب نہ ہوا، وہ سرداران قبائل جو حجاز کی جنگ میں ابن سعود کے دست راست تھے اب کے انھوں نے ابن سعود کے خلاف بغاوت کردی، سارا نجد اور عرب وسطی میں دیکھتے ہی دیکھتے بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے، ابن سعود کیلئے اخوان جو اسکی فتوحات کے ذمہ دار تھے اور دوسرے حلیف قبائل کے سرداروں سے جنھوں نے حجاز میں اسکی مدد کی تھی لڑنا بہت مشکل تھا لیکن اس نے اس بغاوت کو بھی پوری مستعدی سے ابھرنے سے پہلے ہی کچل ڈالا اخوان کے گاؤں کے گاؤں تباہ کر ڈالے اور امیر عتیبہ اور دویش کو جو اس بغاوت کے سرغنہ تھے گرفتار کرکے ساری عمر کیلئے قید کر دیا۔ ان سخت سزاؤں کیساتھ نجد میں امن و امان قائم کرکے ابن سعود نظم و نسق سلطنت کی درستی کیطرف متوجہ ہوگیا

حجاز پر حملہ کی بابت سے جب ابن سعود نے تیاریاں شروع کیں تو ابتداءً برطانیہ نے ابن سعود کو صلح کی بہت کچھ ترغیب دی تھی اور فلبی کے ذریعے اس پر بہت زور ڈالا تھا کہ شریف حسین سے لڑنے کی بجائے برطانیہ کو درمیان میں ڈالکر صلح کرے لیکن جب ابن سعود نے اس مشورے کو نہ مانا اور اسکی فوجیں حجاز کی سرحد کو پار کرکے طائف پر غیر معمولی کامیابی کے ساتھ قابض ہو گئیں تو برطانیہ کو یہ یقین ہو گیا کہ ابن سعود سارے حجاز کو بہت جلد فتح کرلیگا چنانچہ انھوں نے ابن سعود کے مکہ میں فاتحانہ داخلہ سے پہلے ہی اس سے ایک معاہدہ کرلیا جسکی رو سے برطانیہ نے اسکو نجد و حجاز کا بادشاہ تسلیم کرلیا اور ابن سعود نے برطانیہ کو شام اور فلسطین میں آزادی دیدی، عراق اور شرق اردن کی سرحدوں سے ملی ہوئی کچھ زمین سے دستبرداری کرلی اور عقبہ کے بندرگاہ پر انگریزوں کا قبضہ تسلیم کرلیا۔

غرض شریف حسین سے برطانیہ کی آخر میں جن مسائل پر رنجش ہو گئی تھی برطانیہ نے ابن سعود سے اسکی صفائی کرلی اور اس طرح عرب کے اہم مقام اپنے قبضے میں رکھکر باقی حصے پر ابن سعود کو مختار بنادیا۔

ابن سعود عام عربوں کے برخلاف نہایت طویل القامت قوی الجثہ اور خوبصورت انسان ہے اگرچہ اسکے لباس اور رہنے سہنے کے انداز میں انتہائی سادگی ہوتی ہے لیکن پھر بھی عام عربوں کے مجمع میں اسکی شخصیت نہایت بارعب، با اثر اور سحر کن نظر آتی ہے۔ سفر و حضر میں صبح سویرے اٹھتا ہے، رات گئے سوتا ہے، کھانا صرف دو وقت کھاتا ہے صبح و شام لیکن دن بھر کافی یا چائے پینے کا عادی ہے۔ نہایت ذہین، سخت مشقت پسند اور بہت ہی چوکنا انسان ہے کام کرنے اور احکام لکھوانے سے کبھی نہیں تھکتا البتہ اس کے سکریٹری لکھتے لکھتے تھک جاتے ہیں۔ طبعاً نہایت متواضع اور خلیق واقع ہوا ہے دوستی کو وضعداری سے نباہنے کا سلیقہ رکھتا ہے اور دشمنوں کو پامال کرنیکی تدبیر خوب جانتا ہے۔ برطانیہ سے دوستی کی اور وضعداری سے نباہ دی، آل رشید کی پامالی کا

بیڑا اٹھایا اور انھیں حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھدیا۔ مصلحت اندیشی اور دور بینی آپکی فطرت میں داخل ہے سیاسی صحبتوں میں آپکی گفتگو کا انداز بظاہر شاہانہ اور غیر مصالحانہ ہوتا ہے لیکن ہمیشہ ضرورت پر اپنے قدم پیچھے ہٹا لینے کا راستہ یہ محفوظ رکھتا ہے۔ فنِ خطابت میں سارے عرب میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ بڑے سے بڑے اور مخالف سے مخالف مجمع کو چند منٹوں میں رام کر لیتا ہے۔

نظم و ضبط قائم رکھنے کے معاملے میں وہ نہایت سخت واقع ہوا ہے یہ ناممکن ہے کہ بڑے سے بڑا شخص بھی کوئی بے ضابطگی کرے اور اسکی سزا سے بچ جائے۔ ساتھ ہی وہ سخت مغلوب الغضب اور انتہائی مشتعل مزاج بھی ہے اپنی مرضی کے خلاف اگر کوئی بات دیکھ لیتا ہے تو مجرم کو اپنے ہاتھ سے سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑتا۔

ابن سعود کے نکاح میں ہر وقت چار بیویاں رہتی ہیں لیکن مطلقہ بیویوں کی تعداد سیکڑوں تک پہونچ چکی ہے۔ وہ ہر مہینے، ہر ہفتے یا ہر روز اپنی خواہش کے مطابق ایک نئی شادی کرتا ہے اور دوسرے مہینے دوسرے ہفتے یا دوسرے روز طلاق دیدیا کرتا ہے۔

ابن سعود کی ان شادیوں کا مقصد بعض اوقات سیاسی مصلحت ہوتی ہے مثلاً کسی طاقتور قبیلے سے رشتہ جوڑ لینا اور اسے اپنا حلیف بنا لینا وغیرہ اور بعض اوقات اپنے تعلق سے فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے جیسے اپنے بھائی سعد کی بیوی سے نکاح کر کے اس نے اسے فائدہ پہنچایا لیکن عموماً اسکی ان شادیوں کا مقصد "تسکین نفس" ہوتا ہے کیونکہ ایک لونڈی سے لیکر ایک بدوی لڑکی تک سے وہ بے تکلف شادی کر لیتا ہے۔

نجد کے وہابی علما جو اس قدر کٹر واقع ہوئے ہیں کہ حجاز میں اصلاحات جدیدہ تک کو پسند نہیں کرتے اور ابن سعود کی ذات پر آئے دن وہابی عقائد کی روشنی میں احتساب کرتے رہتے ہیں اس معاملے میں بالکل خاموش ہیں۔ آجتک کسی وہابی عالم یا مفتی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ مذہب کی آڑ میں ابن سعود کی اس کھلی ہوئی عیاشی پر سوال یا علانیہ احتساب کرے۔ چنانچہ اس وقت بھی جبکہ اسکی عمر ۶۲ برس کی ہو چکی ہے اسکی شادیوں کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا۔

ان سیکڑوں موجودہ اور مطلقہ بیویوں سے اسکی اولاد بھی سیکڑوں ہی کی تعداد میں پہنچ
چکی ہے لیکن سرکاری حیثیت سے اسکے بڑے لڑکے "ترکی" کے انتقال کے بعد اسکے دو بیٹوں کا نام لیا
جاتا ہے ایک سعود جو اسکا ولی عہد اور نجد کا گورنر ہے دوسرا فیصل فیصل جو حجاز کے نظم ونسق کو
سنبھالتے ہیں ابن سعود کا مددگار ہے۔

اسلامی ممالک کی طرف سے ابن سعود کی ذات پر عموماً دو الزام لگائے جاتے ہیں، ایک یہ کہ
ابن سعود نے عرب کے بعض اہم مقامات پر برطانیہ کا قبضہ تسلیم کرلیا دوسرا یہ کہ سرزمین مقدس میں
عیسائیوں کو دخل حاصل کرنے کا موقع دیدیا۔ پہلا الزام فلسطین اور عقبہ کے قبضے کے متعلق ہے
ابن سعود نے ایک معاہدہ کے ذریعے عقبہ کے بندرگاہ سے دستبرداری کرلی اور دوسرا الزام اس بنا پر ہے
کہ حجاز کی کانوں کا ٹھیکہ ابن سعود نے عیسائی کمپنیوں کو دیدیا ہے۔ ان دونوں الزاموں کی تردید میں ابن سعود
کی حکومت اسلامی ممالک میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے بہت کچھ پروپیگنڈا کرچکی ہے لیکن ان سب تردیدوں
اور عذرات کے باوجود جو ابن سعود کی طرف سے مسلمانوں کے سامنے پیش کئے جاچکے ہیں حقیقت بہرحال
اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ ابن سعود نے حجاز کے اہم مقامات پر برطانیہ کو قبضہ اور حجاز کی کانوں کا عیسائیوں
کو ٹھیکہ دیکر حجاز مقدس میں غیر اقوام کی مداخلت کا دروازہ کھول دیا جو رسول اللہ صلعم کے حکم کے سراسر
خلاف ہے اسی کیساتھ غیر وہابی مسلمانوں کو ابن سعود سے یہ شکایت بھی ہے کہ مکے اور مدینے پر حملہ کیوقت اسکی فوجوں
نے قدیم زیارتگاہیں اور مزارات تباہ کروائے اور بزرگان اسلام کی ان قدیم یادگاروں کو مٹادیا جو غیر وہابی
مسلمانوں کیلئے ہمیشہ واجب الاحترام تھیں اور جب ابن سعود سے اسکی شکایت کی گئی اور یہ مطالبہ کیا کہ ان
زیارتگاہوں کو دوبارہ تعمیر کرادیا جائے تو ابن سعود نے اس سے انکار کردیا۔ اسلام یقیناً وہابیت میں محدود نہیں ہے
اور نہ مسلمان ہونے کیلئے وہابی ہونا ضروری ہے۔ وہابیت محض ایک عقیدہ ہے اسلامی تعلیمات کی
روشنی میں جس طرح فروعی مسائل پر مسلمانوں میں بہت سے عقیدے پیدا ہوگئے اسی طرح وہابیت کا عقیدہ

بھی عالم وجود میں آگیا۔ ورنہ مسلمان ہونے کیلئے صرف اسلام کے بنیادی اعتقادات کا اقرار شرط ہے اوران پر بلا کسی استثنا کے ہر خیال اور عقیدہ کا مسلمان ایمان رکھتا ہے

اب سوال یہ ہے کہ اگر غیر وہابی مسلمان فروعی عقیدہ کے اختلاف کے باوجود وہابیوں کے ساتھ رواداری برت سکتے ہیں تو وہابیوں کو یہ حق کیسے حاصل ہوگیا کہ وہ غیر وہابیوں سے نفرت و حقارت کا سلوک کریں اور ان سے جبراً اپنے عقائد منوانے کی کوشش کریں۔ مکہ تنہا وہابیوں ہی کی زیارتگاہ نہیں ہے بلکہ ہر وہ کلمہ گو مسلمان جو کعبہ کیطرف منہ کرکے نماز پڑھتا ہے یہ حق رکھتا ہے کہ اپنے خیال اور عقیدے کیمطابق اس مرکز مقدس کی زیارت کرے جو اسکے مذہب کا مخرج اور منبع ہے۔

اس سے کچھ بحث نہیں کہ ملک پر حکومت کس کی ہے اور حکمراں فرقے کا عقیدہ کیا ہے۔ جہانتک ملک کے نظم و نسق کا تعلق ہے اُسے کامل آزادی دیجاسکتی ہے بشرطیکہ وہ قدیم مذہبی روایات کے تحفظ کی ذمہ داری کرلے لیکن یہ حق اسے ہرگز نہیں دیا جاسکتا کہ سیاسی اقتدار کے ساتھ وہ جبراً اپنے مذہبی عقیدہ کو بھی اپنے سے مختلف الخیال عقیدہ کے مسلمانوں کے سر منڈھتا ہے۔ مقامات مقدسہ بلاقید عقیدہ سب مسلمانوں کی ملک ہیں اور رہیں گے۔ یہ حق مذہب اسلام نے مسلمانوں کو دیا ہے ابن سعود اور اسکی وہابیت اسے مسلمانوں سے نہیں چھین سکتی!

ابن سعود کی تعلیم صرف مذہبی ہے سوائے عربی کے وہ کوئی دوسری زبان نہیں جانتا اور نہ سوائے عرب کے اس نے کسی اور ملک کی سیاحت کی ہے لیکن اسکے باوجود ملک کے انتظام کا اسے بڑا اچھا سلیقہ اور مختلف طبیعتوں پر قابو رکھنے کا آئین بڑا اچھا ملکہ ہے۔ حجاز کو جس وقت اس نے فتح کیا تھا تو یہاں کا نظام نہایت ناقص تھا حکومت کا اطراف و جوانب کے قبائل پر کوئی اثر نہیں تھا۔ حج کے ایام میں جدہ اور مکہ کے درمیان بدوی قبائل بے تکلف قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے اور حجاز کی حکومت اسکا کچھ بگاڑ نہیں سکتی تھی، وسائل مشکل ان بدویوں کا تھا نہیں ملک بھر میں لوٹ مار ان کا پیشہ تھا شریف کی حکومت جو ان سے

عاجز تھی لیکن ان کا قلع قمع نہیں کر سکی تھی۔

ابن سعود نے جدہ فتح کرتے ہی ان قبائل کی بڑی سختی سے گوشمالی کی معمولی سی معمولی شکایت پر ان قبائل کے افراد کو سخت سے سخت سزائیں دیں چوری ثابت ہوئی تو ہاتھ کٹوا دیا لوٹ مار ثابت ہوئی تو قتل کروا دیا غرض اسقدر ان پر نگرانی رکھی کہ انھیں بدحواس کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن سعود کی فتح کے دوسرے برس حج حاجی جدہ سے مکہ پہنچے انھیں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ انھیں لوٹنے والا تو درکنار ان سے کوئی خیرات طلب کرنیوالا بھی راستہ بھر انھیں نہ ملا۔

حجاز کے نظم و نسق کی درستی میں حافظ وہبہ اور رجان فلبی ابن سعود کے مشیر خاص تھے انہی دونوں نے ملک کے اندرونی شعبوں کو بھی درست کیا اور بیرونی ممالک سے بھی تعلقات پیدا کئے اندرون ملک کی اصلاحات میں جدید ایجادات و اختراعات سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ٹیلیفون، تار گھر، بجلی گھر، لاسلکی کا اسٹیشن موٹریں، ہوائی جہاز، ٹینک، مشین گنیں غرض مکہ میں آج تہذیب جدید کی یہ ساری "برکتیں" موجود ہیں اسکے علاوہ فیکٹریاں، کارخانے اور ہسپتال بھی قائم ہیں اور تمام عیسائی انجینیر و ڈاکٹر کام کر رہے ہیں

لیکن یہ ساری نئی اصلاحات صرف حجاز کی حد تک ہیں نجدی ان اصلاحات کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں انکے نزدیک یہ ساری چیزیں بدعت ہیں جن کا استعمال کرنا مذہبا حرام ہے چنانچہ ان اصلاحات کے نفاذ کے معاملے میں وہابی علماء نے کئی مرتبہ ابن سعود پر احتساب بھی کیا تھا اور اس پر زور ڈالا تھا کہ ان بدعات کو حجاز میں کبھی رائج نہ کرے لیکن ابن سعود نے انھیں سمجھا بجھا کر اس معاملے میں زیادہ تعصب برتنے سے روک دیا۔ ابن سعود میں سلطنت کے انتظام کا بڑا اچھا سلیقہ ہے نجد و حجاز کے وحشی قبائل کو رام کر لینا اور ان پر اپنا نائب مقرر کر کے انھیں ایک نظم و ضبط کا پابند کر دینا آسان کام نہیں لیکن ابن سعود نے یہ کام اسقدر خوبی سے کیا کہ حیرت ہوتی ہے کہ صحرائی قبائل جو مدت سے کسی حکومت کے پابند نہیں تھے وہ کس طرح ایک باقاعدہ حکومت کے ماتحت امن و امان کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

بدوی قبائل کو قابو میں رکھنے کیلئے ابن سعود نے دو اصول اختیار کر رکھے ہیں ایک یہ کہ وہ کسی سردار قبیلہ کی معمولی سے معمولی لغزش کو بھی کبھی معاف نہیں کرتا دوسرے اپنے نائبوں پر جو دوردراز کے علاقوں میں انکی طرف سے حکومت کرتے ہیں اور ان ذمہ دار افسروں پر جو اسکے گرد و پیش ہوتے ہیں وہ انتہائی سخت نگرانی رکھتا ہے اور انکی معمولی سے معمولی شکایت پر بھی انہیں منظر عام پر عبرتناک سزائیں دیئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ ایک مرتبہ برطانوی کمیشن نے ابن سعود سے شکایت کی کہ "ذلفی" کا گورنر خفیہ طور پر ترکوں کی مدد کر رہا ہے ابن سعود نے فوراً اس شکایت کی تحقیقات شروع کر دی اور جب اس پر یہ ثابت ہو گیا کہ حقیقتاً ذلفی کے گورنر کیخلاف یہ شکایت درست ہے۔ اس نے اپنا ایک ناقہ سوار اس خط کیساتھ گورنر کے پاس بھیجا۔

" ـــ او دشمن خدا تیری سازشوں کا حال مجھ پر کھل چکا ہے، تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تو فوراً میرے ملک سے نکل جا اور جہاں تیرا دل چاہے چلا جا۔ اگر اس حکم کے پہونچنے کے بعد تو نے ایک گھنٹہ کی بھی دیر کی تو نجدا میں تجھ کو زندگی کی دنیا میں نہ رہنے دوں گا!"

نجد و حجاز کے دور دراز علاقوں کے گورنر اور شیوخ سب کو ابن سعود نے براہ راست اپنے ماتحت رکھا ہے ان لوگوں کا فرض ہے کہ اپنے علاقہ کی ہر غیر معمولی بات وہ ابن سعود تک پہنچائیں اگر کوئی شیخ اپنے علاقہ کا کوئی جرم چھپاتا ہے تو اس کا ہمسایہ شیخ اسکی رپورٹ کر دیتا ہے اور ابن سعود بلا کسی تامل کے ایک فوجی دستہ لیکر اس شیخ پر چڑھ جاتا ہے اور اس شیخ اور اس مجرم کو ایسی عبرتناک سزا دیتا ہے کہ سارا علاقہ کانپ اٹھتا ہے۔ دور دراز علاقوں کے گورنروں اور شیوخ کی طرح وہ اپنے جلو کے خاص آدمیوں اور اپنی حکومت کے ذمہ دار افسروں کیساتھ بھی یہی سلوک کرتا ہے۔ ایک دن ابن سعود کے بھائی جلودی کے لڑکے فہاد نے جو بہت جھگڑالو اور مغلوب الغضب قسم کا نوجوان تھا ابن سعود کے باڈی گارڈ کے ایک سپاہی کو پیٹ ڈالا، ابن سعود کے پاس جب یہ شکایت پہونچی تو اس نے فہاد کو اپنے سامنے بلوایا اور جیسے ہی فہاد ابن سعود کے سامنے آیا اس نے بے پوچھے گچھے اس نوجوان کو ایک موٹے ڈنڈے سے اس بری طرح دھنا کہ

تھا وہ بیہوش ہو گیا اس کے بعد اس نے اس نوجوان کو اٹھا کر اپنے ڈیرے کے باہر پھینک دیا۔
اسی طرح ایک مرتبہ ایک سپاہی نے ابن سعود کی فوج کے ملا کی اس سے شکایت کی کہ یہ ملا ذاتی رنجش کے باعث اُسے اور اسکے ساتھیوں کو روز ستایا کرتا ہے۔ ابن سعود نے فوراً ملا کو اپنے حضور میں طلب کیا اور سپاہیوں کو ستانے کی وجہ پوچھی ملا نے کسی قدر بدتمیزی سے ابن سعود کو جواب دیا ابن سعود فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور ملا کو اٹھا کر خیمے کے باہر پھینک دیا اور حکم دیا کہ اس کو ایک ہفتہ جیل میں ڈال دیا جائے۔۔ ابن سعود کو جس قدر جلد غصہ آتا ہے اسی قدر جلد ٹھنڈا بھی ہو جاتا ہے اکثر اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر غصے سے بدحواس ہو کر ابن سعود اپنے کسی آدمی کو بے وجہ سزا دیدیتا ہے تو ٹھنڈا ہونے کے بعد اپنی غلطی کا کھلے دل سے اعتراف بھی کر لیتا ہے اور اس شخص کو انعام و اکرام سے راضی کر لیتا ہے۔
ایک مرتبہ اسکے داروغہ حضوری سے کوئی غلطی ہو گئی ابن سعود غصے سے بدحواس ہو گیا، گرمیوں کا زمانہ دوپہر کا وقت جبکہ نجد کی سرزمین بالکل بھاڑ کا نمونہ بنی ہوئی تھی ابن سعود نے یہ انوکھی سزا اس غریب کیلئے تجویز کی کہ یہ شخص ننگے پیر اسی وقت ریاض سے الحسا کے پایہ تخت ھفوف تک پیدل اور ننگے پیر روانہ ہو جائے۔ داروغہ حضوری غریب بڈھا آدمی تھا اور بڑھاپے کیساتھ مٹاپے سے بھی نڈھال ہو رہا تھا۔ اس عجیب و غریب حکم سے بہت بدحواس ہوا لیکن مجال انکار نہ تھی مجبوراً اپنی جوتیاں ابن سعود کے سامنے چھوڑ کر ننگے پیر صحرا کی تپتی ہوئی ریت پر ھفوف روانہ ہو گیا لیکن شام تک ابن سعود کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا تھا اس نے فوراً ایک تیز رفتار اونٹ اسکے پیچھے بھیجا کہ جلد اس تک پہونچے اور اسے ہونٹ پر بٹھا کر واپس ریاض لے آئے۔ جب یہ داروغہ صاحب جو ساری دوپہر تپتی ہوئی ریت پر چلنے سے بدحال ہو رہے تھے ابن سعود کے حضور میں پہونچے تو ابن سعود نے ان سے بڑی مہربانی سے کلام کیا ان کو اپنے برابر بٹھایا۔ اور نوازشات شاہانہ کیساتھ انھیں گھر روانہ کر دیا۔ جب یہ گھر پہونچے تو دیکھا کہ ابن سعود نے ایک جوان اور خوبصورت حبشن لونڈی بھی انھیں تحفۃً بھیج دی ہے جو اس غریب کیلئے موجب تفریح

ہونے کے بجائے بڑھاپے میں بقیہ عمر تک سخت مصیبت بنی رہی۔

ابن سعود بہت مخیر اور مہماں نواز انسان ہے وہ جب کسی کی دعوت کرتا ہے تو دل کھول کر خرچ کرتا ہے اور مہمان کو بڑے اعزاز و اکرام سے رخصت کرتا ہے کہ کر بتا سکی فیاضانہ خرچیوں پر اس کے ایک وزیر نے احتجاج کیا ابن سعود نے یہ دلچسپ جواب دیا :-

"خزانہ نہ کبھی میرے بڑوں نے جمع کیا نہ میں جمع کرنا چاہتا ہوں۔ سلطان عبدالحمید کا وہ لاکھوں کروڑوں روپیہ کیا ہوا جو اس نے اپنے محل میں جمع کر لیا تھا؟ —— اصل میں ہم جیسا بوتے ہیں ویسا ہی کاٹتے ہیں۔ اگر زمانۂ امن میں میں اچھی طرح بو دوں گا تو زمانہ جنگ میں مجھے بڑی اچھی فصل تیار ملے گی —— امن و امان کے زمانہ میں میں سب کچھ اپنی رعایا کو دیدوں گا حتیٰ کہ یہ لباس بھی جو میں پہنے ہوئے ہوں اگر کوئی ضرورت مند آجائے تو نذر کردوں گا اور زمانہ جنگ میں مجھے یقین ہے کہ میری رعایا وہ سب کچھ مجھے دیدیگی جو اس کے پاس ہوگا"

ابن سعود انتہائی مشتعل مزاج اور مغلوب الغضب ہونیکے باوجود نہایت مصلحت اندیش اور دور بیں مدبر ہے۔ اس نے اپنی ذاتی تدبیروں سے نجد فتح کیا اور اپنی ہی تلوار کے زور سے اس نے حجاز پر قبضہ حاصل کیا لیکن اس دوران میں ہمسایہ ممالک اور مغربی قوتوں سے اس نے اپنے تعلقات دوستانہ رکھے اور کبھی ان قوتوں کو اپنے خلاف بے وجہ شکایتوں کا موقع نہیں دیا۔ حالانکہ کویت عراق اور شرق اردن کی سرحدوں پر کئی مرتبہ اسکی فوجوں سے لڑائیاں بھی ہوئیں اور برطانوی ہوائی جہازوں نے بھی بعض موقعوں پر نجد کے قبائل پر بم برسائے لیکن یہ سارے مرحلے ابن سعود نے اس قدر جلد اور اس خوبی سے سلجھا لئے

کہ کسی موقع پر بھی بدمزگی پیدا نہ ہوئی۔

برطانیہ آج ابن سعود کا بہت لحاظ کرتی ہے اس لئے کہ اس نے ابتدا ہی سے برطانیہ کو خوش رکھا اور کبھی کوئی حرکت فاتحانہ جوش و خروش میں بھی اس سے ایسی سرزد نہیں ہوئی کہ برطانیہ کو اس سے شکایت ہوئی۔ سب سے بڑا "احسان" جو ابن سعود نے برطانیہ پر کیا اور جس کو خود برطانیہ بھی تسلیم کرتی ہے یہ ہے کہ ابن سعود نے شام اور فلسطین کے معاملات سے اپنے آپ کو بالکل بے تعلق رکھا۔ حالانکہ اس کے پیش رو شریف حسین نے انہی دونوں مقامات مقدسہ کے متعلق برطانیہ سے رنجش پیدا کرلی تھی۔ اور اگر ابن سعود بھی شام اور فلسطین کے متعلق شریف حسین ہی کی پالیسی اختیار کرلیتا تو برطانیہ کو فلسطین میں اور فرانس کو شام میں سخت دقتیں پیش آتیں اور تعجب نہ تھا کہ جب مغربی قوتیں چہارسالہ جنگ عظیم کے اثرات مابعد میں مبتلا تھیں ابن سعود کی مداخلت سے شام اور فلسطین کی قسمتیں بھی آج پلٹی ہوئی نظر آتیں۔

شریف حسین سے ابن سعود کی سخت لڑائی تھی لیکن اس کے لڑکے فیصل اور عبداللہ سے اسے کوئی رنجش نہ تھی۔ فیصل اور ابن سعود میں شخصی طور پر معانقہ بھی ہوچکا تھا اور عبداللہ سے حجاز کی فتح کے بعد ہمیشہ صلح رہی۔

یمن سے البتہ دو مرتبہ لڑائی ہوچکی ہے۔ ایک مرتبہ عسیر کے معاملہ میں دوسری مرتبہ اس واقعہ کے بعد جب ابن سعود پر عین طواف کعبہ کے وقت کسی شخص نے خنجر سے وار کیا تھا اور تحقیقات کے بعد وہ یمنی ثابت ہوا تھا۔ لیکن

ایسا بہ ات اد ...

آج یمن سے بھی ابن سعود کی صلح ہے اور ان دونوں حکومتوں کے درمیان کوئی وجہ رقابت نہیں پائی جاتی۔ اسی طرح مصر سے بھی محمل کے معاملہ میں ابن سعود کو رنجش پیدا ہو گئی تھی لیکن شدت اس میں ابن سعود نے نہ پیدا ہونے دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج مصر اور ابن سعود کے تعلقات نہایت خوشگوار ہیں اور مصری سرمایہ حجاز کی اصلاح اور ترقیوں میں بڑا کام کر رہا ہے۔

برطانیہ کے بعد عرب سے مغربی قوتوں میں سب سے زیادہ تعلق اٹلی کو ہے۔ چنانچہ اس نے جنگ عظیم کے بعد یمن سے تعلقات بڑھانے کی کوشش کی۔ اور آپس میں ایک تجارتی معاہدہ کر لینے میں کامیاب بھی ہو گیا۔ لیکن جب ابن سعود نے یمن پر حملہ کیا تو اٹلی نے یمن کی مدد نہیں کی بلکہ غیر جانبدار رہا۔ اٹلی کی اس مصلحت شناسی کے باعث ابن سعود حکومت اٹلی کے تعلقات بھی نہایت خوشگوار ہیں۔

ابن سعود وحدت عربیہ کا دل سے حامی ہے اور چاہتا ہے کہ ساری عربی بولنے والی قومیں ایک سلطنت اور ایک امیر کی ماتحتی میں آجائیں لیکن وہ اندھا دھند اپنی اس خواہش کی تکمیل کے درپے نہیں ہے۔ شام اس تحریک کا لیڈر رہا ہے لیکن ابن سعود اس معاملہ میں شام کی قیادت قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔

غرض ابن سعود اپنی غیر معمولی شجاعت و شہامت، تدبر و فراست اور حاکمانہ سلیقے اور صلاحیت کے باعث اس وقت عملاً سارے عرب کا حاکم اور اپنی بعض کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود آج ایک زبردست شخصیت کا

مالک ہے کہ مغربی قوتیں اسے نظر انداز نہیں کر سکتیں ____

اسی کے ساتھ اس حیرت انگیز حقیقت کا بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ابن سعود نے یہ ساری کامیابیاں خود اپنے دست و بازو سے حاصل کیں اور محض اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل پر وہ قابلِ رشک اعزاز اور وقار حاصل کیا جو عرب کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔